عقیدہ توحید
کی چند بنیادیں

تالیف
دکتور عبد اللہ الشریکہ حفظہ اللہ

تقریظ
شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ الراجحی حفظہ اللہ

تقدیم
دکتور فلاح بن اسمٰعیل مندکار رحمہ اللہ
دکتور محمد محمدی النورستانی حفظہ اللہ

ترجمہ
دکتور اجمل منظور مدنی حفظہ اللہ

عقیدہ توحید

کی چند بنیادیں

تالیف:

د/ عبداللہ الشریکہ

تقریظ:

شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ الراجحی

تقدیم:

د/ فلاح بن اسماعیل مندکار

د/ محمد محمدی النورستانی

مترجم:

د/ اجمل منظور المدنی

تقـــریظ

شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ الراجحی

الحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ العالَمِينَ، والصَّلاةُ والسَّلامُ عَلى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وعَلى آلِهِ وأصْحَابِهِ أجْمَعِينَ۔

امابعد: میں (مقدماتٌ فی العقیدۃِ) نامی مقالے سے مطلع ہوا جیسے د/عبداللہ الشریکہ نے تیار کیا ہے، اس کے اندر مولف کے بقول تمام مقدمات کو علماء نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے، مولف نے شرعی اور عقلی دلائل سے خوب استدلال کیا ہے اس طرح یہ مقدمہ طالب علم کیلئے بہت مفید بن گیا ہے۔

بنابریں میں اس مقالے کے شائع کرنے کی وصیت کرتا ہوں تاکہ اسکا فائدہ عام ہو، اور دعاء کرتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالی ہماری تحریروں سے ہمیں فائدہ پہونچائے، ہمیں سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرے، اور ہمیں اور تمام طلبہ کو علم نافع اور عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے، اور ہم تمام مسلمانوں کو دین متین پر ثابت قدم رکھے۔

وصَلّى اللَّهُ وسَلَّمَ وبارَكَ عَلى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وعَلى آلِهِ وأصْحَابِهِ أجْمَعِينَ۔

کتبہ

عبدالعزیز بن عبداللہ الراجحی

تقدیم

د/فلاح المندکار

الحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ العالَمِينَ، والصَّلاةُ والسَّلامُ عَلى رَسُولِ اللهِ وَمَن وَلَاه، وَ بعد:

فاضل دوست دکتور عبداللہ الشریکہ کے رسالے کو پڑھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی، سب سے پہلے آپ کے حسن ظن پر میں آپ کا شکر گزار ہوں، پھر اس بات پر کہ آپ نے مجھے اس مبارک علمی مشارکت کے اندر موقع عنایت کیا۔

رسالہ اپنے نام میں ایک گونا گوں اہمیت رکھتا ہے، چنانچہ سلف امت اور فرقہ ناجیہ کے عقیدے میں یہ رسالہ واقعی مقدمات کی حیثیت رکھتا ہے، بلکہ صحیح عقیدے، سلامت منہج اور اللہ کی سیدھی راہ کے پابند ہونے میں یہ رسالہ مقدمات اور ضروریات کی طرح ہے۔

اسی طرح دین و ایمان کی حفاظت میں، ضلالت وگمراہی، بدعات وانحرافات اور ہلاکت کی کھائی میں گرنے سے اپنے عقیدے کو بچانے میں بھی یہ رسالہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔

اللہ کے نزدیک صرف دین اسلام ہی مقبول ہے، اور دین اسلام اور حق صرف کتاب وسنت اور سلف صالحین کی اتباع میں ہے۔ جبکہ ضلالت وگمراہی اور ہلاکت' صحابہ کے راستے کی مخالفت کرنے میں ہے۔

ان مقدمات کے اندر ان اصولوں کی طرف رہنمائی کی گئی ہے جن پر صحابہ کرام مسائل اعتقاد کے ثابت کرنے میں قائم تھے، اور اعتقاد کے باب میں صحابہ کرام ان اصول وقواعد کو توقیفی سمجھتے تھے، اور اسی میں اپنے ایمان وعقیدے کی سلامتی کا ذریعہ سمجھتے تھے، حصول دین کا میدان ہو یا عقل ونقل میں تطبیق کا مسئلہ ہو یا حسن فہم اور حسن تطبیق کی بات ہو وہ ان اصولوں کو اپنے لئے سلامتی کا ذریعہ ہی مانتے تھے، سو یہ

مقدمات اس بات کیلئے تمہید ہیں کہ ہم صحابہ کرام کو نمونہ بنائیں، جماعت کے ساتھ رہیں تاکہ دنیا اور آخرت ہر جگہ ہم سلامت رہیں۔

دعاء ہیکہ اللہ تبارک وتعالی ہمیں قول وعمل ہر ایک میں توفیق عطا فرمائے، اس رسالے اور مقدمات کو نفع بخش بنائے، ہمیں سلف صالحین اور صحابہ کرام کے نقش قدم پر چلائے اور ہمارے دلوں میں ان کی سچی محبت اور حسن متابعت ڈال دے، وہ ہر چیز پر قادر اور بہتر کارساز ہے۔

وصَلّى اللَّهُ وسَلَّمَ وبارَكَ عَلى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وعَلى آلِهِ وصَحْبِهِ وسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثيرًا

تقدیم

د/محمد النورستانی

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ العالَمِينَ، والصَّلاةُ والسَّلامُ عَلى سيِّدِ الأنبياءِ والمُرسَلِينَ: نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وعَلى آلِهِ وأصْحَابِهِ أجْمَعِينَ۔ وبعد:

میں د/عبداللہ الشریکہ کے (مقدماتٌ فی العقیدةِ) نامی مختصر رسالے سے مطلع ہوا، جس کے اندر موصوف نے اہل سنت والجماعہ کے نزدیک مسائل عقیدہ کے ضبط وفہم کے تعلق سے ایک خاکہ پیش کیا ہے، یہ بہت ہی مفید مقدمات ہیں، ان سے پتہ چلتا ہے کہ حصول دین کے مصادر میں اہل سنت والجماعہ کا کیا منہج ہے، نیز ان مصادر کے ساتھ انکا تعامل کیسا ہے، اور اس بات کی اہمیت کہ سلف صالحین تمام نصوص کو عموما اور نصوص عقیدہ کو خصوصا کیسے سمجھتے تھے، ان مقدمات کے ذریعے ایک مسلمان اپنے عقیدے کی حفاظت کرکے ان اہل بدعت کی راہ پر جانے سے بچ سکتا ہے جو دراصل مصادر کے اخذ کرنے میں اور نصوص شرعیہ کے ساتھ تعامل کرنے میں انحراف ہی کی وجہ سے راہ حق سے دور ہوئے ہیں۔

دعاء ہیکہ اللہ تبارک وتعالی ان مقدمات کو مفید بنائے، اور ہمیں سنت کی پابندی کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان مقدمات پر مولف کو بہتر بدلہ عنایت فرمائے۔

وصَلّى اللَّهُ تَعالىٰ عَلى خَيرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وعَلى آلِهِ وأصْحَابِهِ أجْمَعِينَ۔

کتبہ

د/محمد محمدی بن محمد جمیل النورستانی

مقدمہ برائے اشاعت ثانیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ العالَمِينَ، والصَّلاةُ والسَّلامُ عَلى رَسُولِ اللّٰهِ وَمَن وَلَاه۔

وبعد:

الحمدللہ، مارکٹ میں کتاب (مقدماتٌ فی العقیدۃِ) کے ختم ہوجانے پر دوبارہ اس کی اشاعت کی گئی ہے، اسکے اندر شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ الراجحی حفظہ اللہ کا تقریظ بھی شامل ہوگیا ہے جیسا کہ پہلی اشاعت میں بھی آپ کی تقریظ شامل تھی، جس سے کتاب کی علمی زینت مزید دو بالا ہوگئی ہے۔

بعض بھائیوں کی طرف سے بعض جگہوں پر ترمیم کا مطالبہ کیا گیا اس لئے دوسرے ایڈیشن کے اندر میں نے وہ ترمیم کر دی ہے، جزاھم اللہ خیرا، والحمدللہ رب العالمین۔

مقدمہ برائے اشاعت اولیٰ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحَمْدُ لِلَّهِ، والصَّلاةُ والسَّلامُ عَلى رَسولِ اللهِ وعَلى آلِهِ وصَحْبِهِ أجْمَعِينَ۔

وبعد:

اللہ رب العالمین کے فضل وکرم سے ایک مختصر علمی دورے کا انعقاد ہوا جس میں سلفی عقیدے پر میرا ایک لیکچر ہوا جسے بعض فاضل دوستوں نے ریکارڈ کرلیا، پھر اسکی تفریغ کے بعد اسے شائع بھی کردیا، پھر میں نے اسکا مراجعہ کیا اور اسکے اندر کچھ تعدیل واضافے کے ساتھ بعض اہل علم کے پاس مراجعہ کیلئے بھیج دیا۔

ان افاضل اہل علم کے ملاحظات اور مشوروں سے میں نے کافی استفادہ کیا، بطور خاص شیخ محترم دکتور فلاح بن اسماعیل مندکار اور فاضل دوست دکتور محمد نورستانی جنہوں نے اس مختصر رسالے پر تقریظ لکھی ہے، اب میں اس رسالے کو قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اس التماس کے ساتھ کہ اس کتاب کے اندر قارئین حضرات کو جہاں کہیں بھی ملاحظات اور مشوروں کی ضرورت پڑے میرے ایمیل ایڈریس پر ضرور مطلع فرمائیں۔

میں ہر اس فرد کا شکر گزار ہوں جس نے ان مقدمات کے منظر عام پر لانے میں کسی بھی طرح کا تعاون پیش کیا ہے، خواہ وہ ریکارڈنگ کے ذریعے ہو یا تفریغ کی شکل میں ہو یا ملاحظات اور مشوروں کی صورت میں ہو۔

آپ کا دینی بھائی:

د/عبداللہ بن مطیر الشریکہ

(امام وخطیب جامع الدویلہ، الرحاب، ورکن برائے مثالی خطبات کی اعدادی کمیٹی، اوقاف)

ایمیل ایڈریس: a66667796@hotmail.com

ٹویٹر: dr.alshoreka

مقدمہ

الحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ العالَمِينَ، والصَّلاةُ والسَّلامُ عَلى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وعَلى آلِهِ وأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ۔ أَمَّا بَعْدُ:

یہ چند اہم مقدمات اور بنیادی امور ہیں دراصل عقیدے کے مسائل کو سمجھنے اور یاد رکھنے میں ہر مسلمان کو جنکی ضرورت پڑتی ہے، وہ عقیدہ ہے، جو اہل سنت والجماعہ کا ہے، اللہ تعالی سے دعاء ہے کہ وہ انہیں ہمارے دلوں میں محفوظ کر دے اور ہم انہیں پر آخری دم تک قائم رہیں، وہ ہر چیز پر قادر ہے اور بہتر کارساز ہے۔

یہ وہ مقدمات ہیں جن کا ذکر علماء نے اپنی کتابوں میں کیا ہے، ذیل میں ہم ان میں سے بعض کا ذکر کر رہے ہیں:

پہلا مقدمہ

اللہ کے دین کو وحی سے حاصل کیا جاتا ہے، وہ وحی جسے اللہ تعالی اپنے نبیوں اور رسولوں پر اتارتا ہے اور اس وحی کا خاتمہ اپنے آخری پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کر دیا جو دو چیزوں سے باہر نہیں ہے:

پہلی چیز: خبر

خبر؛ یعنی ہر وہ چیز جسے اللہ تعالیٰ نے ہمیں بذریعہ وحی بتلائی اور خبر دی ہے، یہاں خبر سے مراد: وہ خبریں ہیں جن کا تعلق مسائل اعتقاد، قصوں اور امثال سے ہے۔

دوسری چیز: انشاء

انشاء، جو امر، نہی اور تخییر کو شامل ہے۔

چنانچہ دین وحی پر قائم ہے، اور وحی کی دو قسمیں ہیں: خبر اور انشاء، یا یہ کہیں کہ وحی دو حصوں میں منقسم ہے: خبر اور امر؛ اسلئے کہ امر اس حکم کو بھی شامل ہے جس میں کسی کام کے کرنے کا مطالبہ ہوتا ہے جیسے اللہ تعالی کا یہ قول: ﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾ [سورہ بقرہ:۴۳]

اسی طرح امر اس حکم کو بھی شامل ہے جس کے اندر کسی چیز کے نہ کرنے کا مطالبہ ہوتا ہے جیسے اللہ تعالی کا یہ قول ہے: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ﴾ [سورہ اسراء:۳۲]

جب ہم نے یہ جان لیا تو اب خبر و انشاء میں سے ہر ایک کے تئیں ہم پر کیا واجب بنتا ہے؟

خبر کے تئیں ہم پر واجب یہ ہے کہ ہم اس پر ایمان لائیں، علم ویقین کے ساتھ ہم اس کی تصدیق کریں، اور اسکی سچائی اور صحت کا اس طرح اعتقاد رکھیں کہ جو کسی شک اور تردد کو قبول نہ کرتا ہو۔

اور جہاں تک انشاء یعنی اوامر ونواہی کا تعلق ہے تو اس کے تئیں ہمارا واجب یہ ہیکہ ہم سب سے پہلے ان پر ایمان لائیں اور انکی تصدیق کریں، پھر اسکے بعد ان پر عمل کریں خواہ وہ کرنے کا تقاضہ کرتے ہوں جیسے اوامر یا ترک جانے کا تقاضہ کرتے ہوں جیسے نواہی۔

یہیں سے اہل علم نے دین کی دو قسمیں کی ہیں:

۱-عقیدہ

۲-شریعت

پھر شریعت کی دو قسمیں کی ہیں:

۱-شعائر، جنہیں عبادات بھی کہتے ہیں۔

۲-شرائع

یا دوسرے لفظوں میں ہم اسے درج ذیل دو قسموں میں بانٹ سکتے ہیں:

۱-عبادات، جیسے ارکان اسلام اور جہاد۔

۲- معاملات، جیسے خرید وفروخت کے معاملات، اَیمان ونذور کے مسائل، حدود وقصاص اور نکاح وطلاق کے امور، اور دیگر معاملات۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا:

''اللہ کے کلام میں خبر اور امر ہے، خبر کے اندر اس چیز کی تصدیق واجب ہوتی ہے جسکے بارے میں خبر دی جاتی ہے، اور امر کے اندر پیروی اور تسلیم ورضا کا تقاضہ ہوتا ہے''۔ [الصارم المسلول:۱/ ۵۱۹]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا:

''قرآن کے اندر خبر اور انشاء ہے، انشاء کے اندر امر ونہی اور اباحت پائی جاتی ہے۔ اور خبر کے اندر خالق کائنات اور اسکی مخلوق کے بارے میں خبر دی جاتی ہے''۔ [فتح الباری:۹/ ۶۱]

عقیدہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

عقیدہ کی لغوی تعریف:

یہ عقد سے ماخوذ ہے، جب کسی رسی یا گانٹھ کو مضبوطی سے باندھ دیا جائے تو اس وقت کہا جاتا ہے: ''عَقَدَ الحَبْلَ''، اور عقیدہ کا لفظ مصدر ہے، کہا جاتا ہے: ''اعتَقَد یعتَقِدُ عقیدۃً وَاعتقادًا''۔

عقیدہ کی اصطلاحی تعریف:

وہ ایمان جازم جسکے اندر کوئی شک اور تردد نہ پایا جائے۔

چنانچہ جو کسی چیز پر پختہ ایمان لے آئے تو اسکے بارے میں یہ کہنا صحیح ہوگا: اس نے اسکا اعتقاد رکھا یا یہ کہ یہ اسکا عقیدہ ہے۔

اگر ہم باطنیہ، متکلمین، معتزلہ اور دوسری جماعتوں کو دیکھیں اور اسی طرح یہود ونصاری، بدھسٹوں اور ہندوؤں کو دیکھیں تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ وہ جس پر ایمان لاتے ہیں اس پر پختہ ایمان لاتے ہیں۔ اسی لئے ہم عقیدہ کو دو قسموں میں بانٹ سکتے ہیں:

۱-عقیدہ صحیحہ۔

۲-عقیدہ باطلہ۔

عقیدہ صحیحہ کی تعریف:

عقیدہ صحیحہ وہ ہے جو حق کے موافق ہو، جیسے کہ مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ اکیلا اور تنہا ہے، نصاری یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تین میں سے ایک ہے، اللہ انکے بکواس سے بلند و بالا ہے، چنانچہ جس طرح مسلمانوں کا عقیدہ اللہ کی وحدانیت پر پختہ ہے اسی طرح نصاری کا اپنا عقیدہ بھی پختہ ہے، مگر سوال یہ ہے کہ دونوں میں سے کس کا عقیدہ اس حق کے موافق ہے جسے انبیاء لیکر آئے؟

جواب: وہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے؛ اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا عقیدہ صحیح ہے، اور نصاری کا

عقیدہ باطل ہے، کیونکہ انکا عقیدہ حق کے مخالف ہے۔

دوسری مثال:

یہود ونصاری میں سے کچھ لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ بعض نبیوں نے شراب پی تھی، بعض نے بت کی پرستش کی تھی، بعض نے اپنی بیٹی کے ساتھ زنا کا ارتکاب کیا تھا، والعیاذ باللہ، تو ایسا عقیدہ بلاشبہ انبیاء کی عصمت کے بارے میں نصوص اور اصول عامہ کے مخالف ہے۔

اور جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے تو یہ پختہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ تمام انبیاء ورسل اخلاقی اور جسمانی ہر اعتبار سے اللہ کے چنندہ اور کامل بندے ہیں، اللہ نے انہیں چنا اور پسند کرلیا، اور انہیں کبیرہ گناہوں اور فحش وہلاکت خیز برائیوں سے محفوظ رکھا جیسا کہ اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: ﴿اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ﴾ [الحج:۷۵] ترجمہ: فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے پیغام پہونچانے والوں کو اللہ ہی چھانٹ لیتا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: ﴿اللَّهُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾ [الأنعام:۱۲۴] ترجمہ: اس موقع کو تو اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کہاں وہ اپنی پیغمبری رکھے؟

دوسرا مقدمہ

اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے بارے میں فرماتا ہے:﴿عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ [سورہ انعام: ۷۳] ترجمہ: اللہ تعالی غیب اور موجود ساری چیزوں کا جاننے والا ہے۔

چنانچہ تمام موجودات ان دونوں عالَم سے باہر نہیں جاسکتے: یا تو اسکا تعلق عالَم غیب سے ہوگا یا پھر عالَم شہادہ سے۔

عالَمِ غیب کسے کہتے ہیں؟

وہ تمام چیزیں مراد ہیں جنہیں اللہ تعالی نے انسان کے حس وعقل سے پرے رکھا ہے۔ انسان کے پاس پانچ حواس ہیں جنہیں حواس خمسہ یا مدارک حسیہ کہتے ہیں: سننے کا احساس، دیکھنے کا احساس، سونگھنے کا احساس، چکھنے کا احساس اور چھونے کا احساس۔ چنانچہ جب میں کسی آواز کو سنتا ہوں تو اپنی قوت سماعت سے اس کا احساس کرلیتا ہوں، جب میں کسی انسان کو دیکھتا ہوں تو اپنی قوت بصارت سے اس انسان کا احساس کرلیتا ہوں، جب میں کسی بو کو سونگھتا ہوں تو اپنی قوت شامہ سے اس بات کا احساس کرلیتا ہوں کہ آیا وہ بو خوشبودار ہے یا بدبودار ہے، اور جہاں تک غیب کا تعلق ہے تو ان حواس سے اس کا ادراک نہیں کیا جاسکتا۔

یہی حال انسان کا ہے کہ اسکے پاس مدارک عقلی ہوتے ہیں مثلا میں گھر میں بیٹھا ہوں، اگر کوئی گاڑی گزرتی ہے اور میں اس کی آواز سنتا ہوں تو یہ جان لیتا ہوں کہ اس میں کوئی آدمی بیٹھا ہوگا جو اس کار کو چلا رہا ہے، کیونکہ عقل اس کا فیصلہ کرلیتی ہے گرچہ ہم نے اس آدمی کو نہیں دیکھا اور نہ ہی اسکی آواز سنی، بلکہ اسکا ادراک میں نے اپنی عقل سے کیا۔ اور جہاں تک عالم غیب کا تعلق ہے تو اسے عقل کے ذریعے ادراک نہیں کیا جاسکتا ہے بلکہ اسکا ادراک اور اسکا علم وحی اور خبر سے ہوسکتا ہے اور وہ کتاب وسنت میں موجود ہے۔

لیکن جہاں تک عالم شہادہ کا تعلق ہے تو انسان اپنی حسی اور عقلی مدارک سے انکا پتہ لگا لیتا ہے، چنانچہ ہم جو کچھ دیکھتے اور سنتے ہیں اسکا تعلق اسی عالم شہادہ سے ہوتا ہے، اسی طرح جو کچھ چھوتے اور سونگھتے ہیں اسکا تعلق بھی اسی عالم شہادہ سے ہوتا ہے۔

حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا:

''شہادہ سے مراد ہر وہ چیز ہے جسے آپ اللہ کی مخلوق میں سے دیکھتے ہیں، اور غیب سے مراد ہر وہ چیز ہے جو آپ سے مخفی ہے جسے آپ نہیں دیکھ سکتے''۔ [تفسیر ابن أبي حاتم: ۶/ ۱۸۶۵]

اور امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا:

''غیب ان چیزوں کو کہتے ہیں جو بندوں سے غائب ہیں جنہیں وہ نہ دیکھ سکتے اور نہ ہی اسکا علم رکھ سکتے ہیں، اور شہادہ ان چیزوں کو کہتے ہیں جنہیں بندے دیکھتے اور جانتے ہیں''۔ [تفسیر البغوی: ۸/ ۸۷]

یہاں پر میں ایک بہت ہی اہم مسئلے کی طرف اشارہ کروں گا اور وہ یہ کہ غیب کی دو قسمیں ہیں:

۱-غیب مطلق جسے صرف اللہ جانتا ہے۔

۲-غیب نسبی جسے اللہ کے بعض بندے جانتے ہیں اور دوسروں سے وہ مخفی رہتا ہے۔

مثال کے طور پر میرا مکان جہاں میں اس وقت بیٹھا ہوں، یہ ان لوگوں کیلئے غیب ہے جو اس سے باہر ہیں، اسلئے کہ انہیں نہیں معلوم کہ اس مکان کے اندر کیا ہو رہا ہے، اور جو کویت سے باہر ہیں وہ ہمارے لئے غیب ہیں، مگر میرا مکان میرے لئے عالم شہادہ ہے، اسی طرح جس طرح جو کویت سے باہر ہیں انکے لئے انکا مکان عالم شہادہ سے ہے؛ اسی لئے اس غیب کو غیب نسبی کہتے ہیں، اسلئے کہ یہ بعض مخلوق کیلئے غیب ہوتا ہے اور بعض کیلئے شہادہ سے ہوتا ہے۔

انبیاء کے قصے اور انکی قوم کے ساتھ جو کچھ معاملہ پیش آیا وہ سب ہمارے لئے عالم غیب سے ہے، اس میں کوئی مخالفت نہیں کرے گا؛ اسی لئے انکے بارے میں صرف وحی کے ذریعے ہی جانا جا سکتا ہے،

مگر یہی قصے انبیاء اور انکی قوم کیلئے عالم شہادہ سے ہے۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے کہا:

''غیب سے مراد وہ چیزیں ہیں جو غائب ہیں، اور غیب ایک نسبی امر ہے، البتہ غیب مطلق کا علم صرف اللہ تعالی کے ساتھ خاص ہے''۔ [شرح العقیدہ الواسطیہ :۱۵۸]

اور اصل عقیدہ یہ ہیکہ وہ عالم غیب سے ہے، لیکن ان میں سے کچھ کا تعلق عالم شہادہ سے ہوتا ہے جو کہ بہت کم ہے۔ اور سب سے بڑا غیب خود اللہ تبارک وتعالی کی ذات اور اس سے متعلق اسماء وصفات اور اس کے افعال وحقوق ہیں، کیونکہ ہم اسکے تعلق سے کسی بھی امر کو کتاب وسنت کی روشنی میں وحی کے ذریعے ہی جان سکتے ہیں۔

اس سے یہاں پر ایک بہت ہی اہم مسئلہ ابھر کر سامنے آتا ہے، اور جسکے بارے میں ہم درج ذیل مبحث میں کلام کریں گے۔

عقیدہ کے مصادر

سوال:

اسلامی عقیدہ ہم کہاں سے حاصل کریں گے؟

جواب:

عقیدہ کو ہم وحی سے حاصل کریں گے، یعنی کتاب اللہ اور سنت صحیحہ سے، یہی وحی ہی صحیح عقیدہ کیلئے واحد مصدر رہے؛ وہ اسلئے کیونکہ عقائد کے مسائل کا تعلق غیبی مسائل سے ہے، اور غیب کے بارے میں وحی ہی سے جانکاری حاصل ہوسکتی ہے، جیسا کہ اللہ تبارک و تعالی نے فرمایا: ﴿عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ [سورہ انعام: ۷۳] ترجمہ: اللہ تعالی غیب اور موجود ساری چیزوں کا جاننے والا ہے۔ مزید ارشاد باری تعالی ہے: ﴿قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ﴾ [النمل: ۶۵] ترجمہ: کہہ دیجئے کہ آسمانوں والوں میں سے زمین والوں میں سے سوائے اللہ کے کوئی غیب نہیں جانتا، انہیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ کب اٹھا کھڑے کیے جائیں گے؟

اور امور غیب کے بارے میں صرف اللہ تعالی ہی جانتا ہے سوائے اسکے جسے اللہ تعالی مطلع کر دے اپنے رسولوں میں سے جیسا کہ اللہ تبارک و تعالی نے سورہ جن کے اندر فرمایا: ﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ۝ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ﴾ [الجن: ۲۶، ۲۷] ترجمہ: وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا، سوائے اس پیغمبر کے جسے وہ پسند کر لے۔

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''غیب کتاب وسنت سے متجاوز نہیں ہوسکتا''۔ [مجموع الفتاوی: ۵/ ۲۶]

اور جہاں تک اقوال صحابہ کا تعلق ہے تو یہ نصوص وحی کیلئے تفسیری مصدر کی حیثیت رکھتے ہیں، یہ کوئی مستقل طور پر مصدر کی حیثیت نہیں رکھتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تبارک و تعالی نے فرمایا: ﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ﴾ [البقرۃ: ۲۵۵] ترجمہ: اس کی کرسی کی وسعت نے زمین و آسمان کو گھیر رکھا ہے۔

اس آیت کے اندر اللہ عزوجل کیلئے کرسی کا اثبات ہے، اس لئے ہم اللہ کیلئے اس چیز کو ثابت کریں گے جسے اس نے اپنے لئے ثابت کیا ہے، لیکن یہاں پر کرسی کا کیا معنی ہے؟ اور ہم اسکی تفسیر کیسے جانیں گے؟ یہاں پر ہم صحابہ کرام کے اقوال کی طرف رجوع کریں گے، چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کرسی کے بارے میں کہا ہے کہ اس سے مراد اللہ تبارک وتعالی کے دونوں قدموں کی جگہ ہے، اسی لئے بعض اہل علم نے کہا ہے کہ امام بخاری نے اپنی کتاب الصحیح کو کتاب الوحی سے آغاز کیا ہے، اسکے بعد کتاب الایمان لائے ہیں، پھر کتاب العلم؛ تاکہ یہ واضح کر دیں کہ ایمان اور علم صرف وحی سے حاصل ہوتے ہیں۔

تیسرا مقدمہ

مسائل اعتقاد کے ثابت کرنے میں اہل سنت والجماعہ کے کچھ قواعد:

مسائل اعتقاد کے ثابت کرنے اور انہیں ضبط کرنے کیلئے اہل سنت والجماعہ کے کچھ اصول اور قواعد ہیں، ان میں سے چند قواعد کا ذکر درج ذیل ہے:

پہلا قاعدہ:

نقل کو عقل پر مقدم کرنا۔

یہاں نقل سے مراد کتاب اللہ اور سنت صحیحہ کی روشنی میں وحی ہے، اسے نقل اس وجہ کہا گیا کیونکہ یہ ہم تک منقول ہوتا آیا ہے، چنانچہ صحابہ کرام نے نبی اکرم ﷺ سے اپنے بعد والوں کو نقل کیا، پھر انکے بعد والوں نے اپنے بعد والوں کو نقل کیا یہاں تک کہ یہ وحی ہم تک پہونچ گیا، جس طرح کہ اسے سمع بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ اسے صحابہ کرام نے نبی اکرم ﷺ سے سن کر ہم تک پہونچایا ہے۔

اور جہاں تک عقل پر نقل کو مقدم کرنے کی بات ہے؛ تو چونکہ عقیدے کے مسائل غیبی ہیں ان کا ادراک بغیر نقل کے ممکن نہیں ہے، اسی لئے حتمی طور پر نقل کو عقل پر مقدم کرنا ضروری ٹھہرا، اسلئے کہ عقائد کا تعلق غیب سے ہے، اور اس کا علم حاصل کرنا اور اس پر ایمان لانا دونوں اللہ تعالی اور اسکے رسول ﷺ کی طرف سے خبر پر موقوف ہے، اور یہ بات گزر چکی ہے کہ سب سے بڑا غیب خود اللہ تبارک وتعالی کی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا﴾ [الاسراء:٣٦] ترجمہ: جس بات کی تجھے خبر ہی نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑ۔ کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک سے پوچھ گچھ کی جانے والی ہے۔

حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ دین مکمل ہو چکا ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھر پور کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا۔

اور جب اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو پائے تکمیل تک پہونچا دیا اور اسے تمام کر دیا، صحابہ کرام نے اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل کیا، اور اسکا اعتقاد کیا، اور اسی طرح بعد والوں نے صحابہ کرام سے حاصل کیا، اس پر اعتقاد کیا، اس سے انکا دل مطمئن ہوا، اب ایسی صورت میں عقل کو فیصل اور اصل بنانے کی کیا ضرورت رہ گئی کہ شریعت کے صحیح صریح نصوص کو عقل پر پیش کیا جائے پھر کبھی اسکے مضمون پر عمل کیا جائے اور کبھی انکے اندر تحریف کیا جائے تاکہ وہ عقل کے موافق ہو جائیں؟!

اور جب دین اسلام مکمل ہو چکا ہے تو اب ایسی صورت میں اسکے اندر کسی قسم کی زیادتی معنوی نقصان ہی ہوگا جیسے کہ ہاتھ میں انگلیوں کا اضافہ بندے کیلئے نقص اور کمی کا سبب ہوتا ہے۔ [فتح الباری: ۱۳/ ۳۵۲]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ [النساء: ۵۹] ترجمہ: اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔ پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ، اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف، اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔

ابن القیم رحمہ اللہ نے کہا:

''اس آیت کے اندر اللہ عز وجل نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اپنے باہمی تنازعات اور اختلافی مسائل کو

اسکی طرف اور اسکے رسول ﷺ کی طرف لوٹا دیا کریں، اسلئے اب کسی طور پر یہ جائز نہیں ہے کہ ہم اپنے باہمی تنازعات کو حل کرنے کے لئے کسی کی رائے اور قیاس کی طرف لوٹائیں، اس کے لئے کسی امام کی تقلید کریں، یا کشف والہام اور خواب پر بھروسہ کریں، قلبی واردات اور استحسان ومعقول پر اعتماد کریں، دیوانی قانون اور شاہی فرامین پر عمل کریں، یا لوگوں کے عرف وعادات وتقالید کو بنیاد بنائیں کہ جن سے زیادہ مسلمانوں کی شریعت کیلئے اور کوئی چیز نقصان دہ نہیں ہے"۔ [اعلام الموقعین: ۱/ ۲۹۲]

ارشاد باری تعالی ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ [الحجرات: ۱] ترجمہ: اے ایمان والے لوگو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سننے والا، جاننے والا ہے۔

امام شاطبی رحمہ اللہ نے کہا:

"یہ مناسب نہیں ہے کہ عقل کو شرع پر مقدم کیا جائے؛ کیونکہ یہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ سے آگے بڑھنے میں شامل ہے، بلکہ عقل کو شرع کے پیچھے ہونا ضروری ہے۔ پھر ہم کہیں گے کہ یہی تمام صحابہ کرام کا مذہب ہے، اور اسی پر انہوں نے عمل کیا ہے، اور اسی کو انہوں نے جنت کا راستہ اور طریقہ بنایا چنانچہ وہ اسی راستے سے جنت تک پہونچے ہیں"۔ [الاعتصام: ۲/ ۳۳۱]

شیخ عبدالرحمن سعدی رحمہ اللہ نے کہا:

"آیت سے پتہ چلا کہ اللہ عزوجل کے ساتھ ادب سے پیش آیا جائے، اسکے رسول ﷺ کے ساتھ بھی ادب سے پیش آیا جائے، آپ ﷺ کی تعظیم واکرام کی جائے، چنانچہ اللہ تعالی نے اپنے مومن بندوں کو ان تمام چیزوں کا حکم دیا ہے جو اللہ اور اسکے رسول ﷺ پر ایمان لانے کا تقاضہ کرتی ہیں تاکہ وہ اللہ کے اوامر کی پابندی کریں اور نواہی سے اجتناب کریں، اور یہ کہ اپنے تمام معاملات میں احکامات الٰہی کے پیچھے چلیں اور سنت رسول کی پیروی کریں، اور اللہ اور اسکے رسول ﷺ سے آگے نہ بڑھیں، وہ جو کہیں وہی

کہیں اور وہ جو حکم دیں اسی کو کریں، اللہ اور اسکے رسول کے ساتھ یہی حقیقت میں واجبی ادب ہے، اسی میں بندے کیلئے سعادت اور نجات ہے، اسکے فوت ہونے پر ابدی سعادت اور ازلی نعمت فوت ہو جائے گی، اور یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول پر دوسرے کے قول کو مقدم کرنے کی سخت مناہی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ سنت رسول اگر واضح ہو جائے تو اسکی اتباع کرنا اور اسے دوسرے تمام اقوال پر مقدم کرنا واجب ہے خواہ وہ کوئی بھی ہو"۔ [تفسیر السعدی:۱/۷۹۹]

اسی لئے اہل علم نے کہا ہے کہ عقیدہ توقیفی ہے، یعنی اسکی معرفت، اسکے مسائل کے اثبات میں انہیں دلیلوں پر منحصر ہے جو شریعت میں وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ شریعت میں جو ثابت ہے اسے ہم ثابت کریں گے اور جسکی نفی کردی اسکی ہم نفی کریں گے، اور جو کچھ شریعت میں تفصیل سے وارد ہوا ہے اس پر ہم تفصیل سے ایمان لائیں گے اور جو اجمالی طور پر وارد ہوا ہے اس پر ہم اجمالی طور پر ایمان لائیں گے، اور جس چیز کے بارے میں نہ اثبات ہے نہ نفی ہے تو ایسی صورت میں ہم اسکے بارے میں توقف اختیار کریں گے، نہ ہی ہم اسے ثابت کریں گے اور نہ ہی ہم اسکی نفی کریں گے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"إنَّ القُرْآنَ لَمْ يَنْزِلْ يُكَذِّبُ بَعْضُهُ بَعْضًا، بَلْ يُصَدِّقُ بَعْضُهُ بَعْضًا: فَما عَرَفْتُمْ مِنهُ فاعْمَلُواْ بِهِ، وما جَهِلْتُمْ مِنهُ فَرُدُّوهُ إلى عالِمِه"۔ [مسند أحمد:۶۷۰۲، وصححه الألباني وغيره]

ترجمہ: قرآن اسلئے نازل نہیں ہوا ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو جھٹلائے بلکہ اسلئے نازل ہوا ہے کہ اسکا ایک حصہ دوسرے حصے کی تصدیق کرے، اسلئے اس میں سے جو تمہیں معلوم ہو اس پر عمل کرو اور جو معلوم نہ ہو اسے اسکے جانکار کی طرف پھیر دو۔

ربیع بن خثیم رحمہ اللہ نے کہا:

"اے اللہ کے بندے! اللہ نے جو تمہیں اپنی کتاب میں سکھا دیا ہے اس پر اللہ کا شکر ادا کرو، اور جو

نہیں بتایا ہے اسے اسکے جانکار کی طرف پھیر دو، اور اس میں کوئی تکلف نہ کرو کیوں کہ اللہ تبارک وتعالی اپنے نبی سے کہتا ہے: ﴿قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ﴾ [ص: ۸۶] ترجمہ: کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس پر کوئی بدلہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں"۔ [الاعتصام: ۲/۳۳۶]

امام حمیدی رحمہ اللہ نے کہا:

"ہم اسی جگہ رک جائیں گے جہاں پر قرآن اور سنت نے ہمیں رکنے کیلئے کہا ہے"۔ [اصول السنہ للحمیدی: ص ۴]

معلوم ہوا کہ عقیدہ کے باب میں اجتہاد اور عقل ماری کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، ہاں عقل علم ومعرفت کے مصادر میں سے ایک مصدر اور آلات فہم میں سے ایک آلہ ضرور ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے، مگر عقیدہ اور اسکی معرفت کیلئے عقل کبھی مصدر اور مرجع نہیں بن سکتا؛ اسلئے کہ اللہ تعالی نے عقل کیلئے ایک حد مقرر کردی ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرسکتی، چنانچہ اللہ تعالی نے جس چیز کو اس سے پردہ غیب میں رکھا ہے وہ اسکا ادراک نہیں کرسکتی، اور انہیں غیبی امور میں مسائل اعتقاد بھی داخل ہے، لہذا یہ وحی معصوم ہی کے ذریعے معلوم ہوگا۔

اسی طرح سے انسانی عقلیں متفاوت ہوتی ہیں، آپ کی عقل کہتی ہے کہ یہ برحق ہے، اور دوسرے کی عقل کہتی ہے کہ یہ باطل ہے، نصرانی کی عقل کہتی ہے کہ تثلیث برحق ہے، جبکہ ایک مسلم کی عقل کہتی ہے کہ تثلیث شرک ہے۔ **امام دارمی رحمہ اللہ** کہتے ہیں:

"معقول کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کا حدود اربعہ تمام لوگوں کے نزدیک متعین ہو کہ اسی پر انحصار کرلیا جائے، اگر معاملہ ایسا ہی ہوتا تو لوگوں کے لئے ایک راحت کی بات ہوتی اور ہم بھی وہی کہتے"۔ [الرد علی الجھمیہ: ۱۲۷]

بلکہ معاملہ یہ ہے کہ خود ایک ہی عقل کے اندر تفاوت پایا جاتا ہے، چنانچہ ایک آدمی آج کسی چیز کو بہتر سمجھتا ہے پھر کچھ دنوں کے بعد اسی کو برا سمجھنے لگتا ہے، اور اسکے کرنے یا اسکے ترک کرنے پر نادم ہوتا ہے، اور ایسا بہت ہوتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ لوگوں میں سب سے کامل عقل والے تھے اسکے باوجود آپ ﷺ اصول دین کے مسائل میں اپنی طرف سے نہیں بولتے تھے، بلکہ اللہ کی طرف سے وحی کا انتظار کرتے تھے، جب یہ حال اللہ کے رسول ﷺ کا تھا تو پھر دوسرے کا حال کیا ہوگا؟!

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے کہا:

''رسول اللہ ﷺ کی عقل لوگوں میں مطلق طور پر سب سے زیادہ کامل تھی، اگر آپ کی عقل کو تمام لوگوں کی عقل کے مقابلے تولا جائے تو آپ کی عقل وزن دار ہو جائے گی۔ اس کے باوجود اللہ تعالی نے آپ کے بارے میں یہ خبر دی ہے کہ آپ ﷺ وحی سے قبل ایمان کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے، اسی طرح کتاب کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے''۔ [الصواعق المرسلہ: ۲/ ۷۳۴]

اسی لئے عقل پر وحی کو مقدم کرنا واجب ہوا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''نبی اکرم ﷺ کے حکم کی نافرمانی کرنے والی ہر چیز ساقط ہو جائے گی اور اسکے ساتھ کوئی رائے اور قیاس کام نہیں کرے گا، کیونکہ آپ ﷺ کے قول کے سامنے ہر طرح کا عذر ختم ہو جاتا ہے''۔ [کتاب الام: ۲/ ۲۲۸]

امام شاطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''صحابہ کرام اور تابعین عظام نے سنتوں کا معارضہ اپنے اقوال و آراء سے نہیں کیا، خواہ انہیں اس کا علم ہو یا نہ ہو، انکے سامنے کبھی وہ چیز آئی ہو یا نا آئی ہو، اور اس نقل سے یہاں یہی مطلوب ہے۔ اب اسے

نصیحت پکڑنا چاہیئے جو ناقص یعنی عقل کو کامل یعنی شرع پر مقدم کرتا ہے"۔ [الاعتصام:۲/۳۳۶]

شہرستانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"جان لیں کہ مخلوق کے اندر سب سے پہلا شبہہ ملعون ابلیس کا تھا، اس نے نص کے مقابلے میں اپنی رائے پیش کی تھی، حکم الہی کے مقابلے میں اپنی خواہشات نفس کو چنا تھا، جس مادے سے اسے پیدا کیا گیا ہے یعنی آگ پر اس نے تکبر کیا تھا اس مادے کے مقابلے میں جس سے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا ہے یعنی مٹی"۔ [الملل والنحل:۱/۱۵]

ابن ابی العز رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"ہم پر واجب ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی مکمل فرمانبرداری کی جائے، آپ کے حکم کی اطاعت کی جائے، آپ کی دی ہوئی خبر کی تصدیق کرتے ہوئے اسکو قبول کیا جائے، خیال باطل سے اسکا معارضہ کرکے اسے معقول کا نام نہ دیا جائے، یا اسے کسی شک یا شبہ پر محمول نہ کیا جائے، یا اس پر لوگوں کے آراء و خیال کو مقدم نہ کیا جائے"۔ [شرح العقیدہ الطحاویہ:۱۸۸]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"صحابہ وتابعین کے درمیان یہ متفقہ اصولوں میں سے ہے کہ کسی کی بھی طرف سے یہ قابل قبول ہرگز نہیں ہوسکتا کہ قرآن کا معارضہ اپنی رائے، ذوق، عقل وقیاس اور وجدان سے کیا جائے، کیونکہ ان سے قطعی دلائل اور واضح براہین سے یہ ثابت ہیکہ رسول اللہ ﷺ ہدایت اور دین حق کے ساتھ آئے ہیں اور قرآن پاک اس راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو بہت ہی سیدھا ہے۔

اسی لئے سلف میں سے آپ کسی کو نہیں پائیں گے کہ انہوں نے قرآن کا معارضہ عقل، رائے اور قیاس سے کیا ہو، یا ذوق ووجدان اور مکاشفہ والہام سے کیا ہو، اور نہ ہی کبھی یہ کہا کہ اس مسئلے میں عقل ونقل کا تعارض ہے، چہ جائے کہ یہ کہیں کہ ایسی صورت میں عقل کو مقدم کرنا واجب ہوا"۔ [مجموع الفتاوی:۱۳/۲۸]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے عقل ونقل کے درمیان تعارض نہ ہونے نیز عقل سلیم کے شریعت کے موافق ہونے کے تعلق سے مزید کہا:

’’کتاب وسنت جس چیز پر دلالت کرتے ہیں وہ عقل صریح کے موافق ہوتا ہے، اور عقل صریح کبھی بھی نقل صحیح کے مخالف نہیں ہوسکتا‘‘۔ [مجموع الفتاوی: ۷/ ۶۶۵]

دوسرا قاعدہ

شرعی دلائل میں عدم تفریق:

سو ہم نہ تو کتاب وسنت کے درمیان تفریق کرتے ہیں اور نہ ہی سنت اور سنت کے درمیان تفریق کرتے ہیں۔

چنانچہ اس اصول کی روشنی میں اخبار وقصص اور وعد ووعید پر ایمان لانا اور انکی تصدیق کرنا واجب ہے، اسی طرح انہیں قبول کر کے ان پر عمل کیا جائے گا نیز اوامر ونواہی کی پابندی کی جائے گی، اس طرح چاہے کتاب اللہ ہو یا سنت رسول افادہ علم اور وجوب عمل میں دونوں برابر ہیں، فرق صرف نام میں اور تعارض کے وقت جمع وتطبیق میں ہے۔

کتاب وسنت کے درمیان عدم تفریق استدلال اور افادہ علم کی حیثیت سے ہے، چنانچہ دونوں کی خبریں سچی ہیں جو علم کا فائدہ دیتی ہیں، چنانچہ جو خبر ہمیں رسول اللہ ﷺ اپنی سنت میں دیتے ہیں اور جو خبر ہمیں اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں دیتا ہے دونوں برابر ہیں، سو وہ خبر اور حکم جس پر نبی اکرم ﷺ سے ثابت شدہ کوئی حدیث دلالت کرتی ہے وہ اسی خبر اور حکم جیسی ہوتی جس پر کتاب اللہ سے کوئی آیت دلالت کرتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ [الحجرات:۱] ترجمہ: اے ایمان والے لوگو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سننے والا، جاننے والا ہے۔

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا﴾ [الأحزاب:۳۶]

ترجمہ: اور (دیکھو) کسی مومن مرد وعورت کو اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی

اختیار باقی نہیں رہتا، (یاد رکھو) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ﴾ [المائدۃ:۹۲] ترجمہ: اور تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول کی اطاعت کرتے رہو اور احتیاط رکھو۔ اگر اعراض کرو گے تو یہ جان رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمہ صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے۔

مزید اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

”إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمْ مَا إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي: كِتَابُ اللَّهِ وسنتي، وَلَنْ يَتَفَرَّقَا حَتَّى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ“. [المستدرک للحاکم:۳۱۹، وصححہ الألبانی فی صحیح الجامع:۲۹۳۷]

ترجمہ: میں تم میں ایسی چیز چھوڑنے والا ہوں کہ اگر تم اسے پکڑے رہو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے: ایک کتاب اللہ اور دوسری میری سنت، یہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے، یہاں تک کہ یہ دونوں حوض کوثر پر میرے پاس آئیں گے۔

اسی طرح ایک روایت سنن ابی داود کی ہے:

عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِي كَرِبَ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، أَنَّهُ قَالَ: "أَلَا إِنِّي أُوتِيتُ الْكِتَابَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ، أَلَا يُوشِكُ رَجُلٌ شَبْعَانُ عَلَى أَرِيكَتِهِ، يَقُولُ: عَلَيْكُمْ بِهَذَا الْقُرْآنِ فَمَا وَجَدْتُمْ فِيهِ مِنْ حَلَالٍ فَأَحِلُّوهُ وَمَا وَجَدْتُمْ فِيهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوهُ، أَلَا لَا يَحِلُّ لَكُمْ لَحْمُ الْحِمَارِ الْأَهْلِيِّ وَلَا كُلُّ ذِي نَابٍ مِنَ السَّبُعِ وَلَا لُقَطَةُ مُعَاهِدٍ، إِلَّا أَنْ يَسْتَغْنِيَ عَنْهَا صَاحِبُهَا، وَمَنْ نَزَلَ بِقَوْمٍ فَعَلَيْهِمْ أَنْ يَقْرُوهُ فَإِنْ لَمْ يَقْرُوهُ فَلَهُ أَنْ يُعْقِبَهُمْ بِمِثْلِ قِرَاهُ". [مسند أحمد:۱۷۴۴۷، سنن أبی داود:۴۶۰۴، وصححہ الألبانی]

ترجمہ: سیدنا مقدام بن معد یکرب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سنو، مجھے کتاب (قرآن) دی گئی ہے اوراس کے ساتھ اسی کے مثل ایک اور چیز بھی (یعنی سنت)، قریب ہے کہ ایک آسودہ آدمی اپنے تخت پر ٹیک لگائے ہوئے کہے: اس قرآن کو لازم پکڑو، جو کچھ تم اس میں حلال پاؤ اسی کو حلال سمجھو، اور جو اس میں حرام پاؤ، اسی کو حرام سمجھو، سنو! تمہارے لیے پالتو گدھے کا گوشت حلال نہیں، اور نہ کسی نوکیلے دانت والے درندے کا، اور نہ تمہارے لیے کسی ذمی کی پڑی ہوئی چیز حلال ہے سوائے اس کے کہ اس کا مالک اس سے دستبردار ہو جائے، اور اگر کوئی کسی قوم میں قیام کرے تو ان پر اس کی ضیافت لازم ہے، اور اگر وہ اس کی ضیافت نہ کریں تو اسے حق ہے کہ وہ ان سے مہمانی کے بقدر لے لے"۔

اسی کے مثل یعنی سنت بھی قرآن کی طرح وحی الہی ہے، اللہ قرآن کی طرح سنت کی بھی حفاظت کرے گا، دونوں کی خبر اور حکم برحق اور سچے ہیں، علم ویقین کا فائدہ دیتے ہیں اور عمل کو واجب کرتے ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ سنت کو قرآن پر پیش کیا جائے گا، اگر قرآن کا ظاہر اسکی موافقت کر دے گا تو ٹھیک ورنہ ہم قرآن کے ظاہر کو لیں گے اور حدیث کو ترک کر دیں گے، تو ایسا کہنا جہالت ہے؛ اسلئے کہ کتاب اللہ کے ساتھ سنت رسول بھی اللہ کی شریعت کا بیان اور وضاحت ہے، اور یہ معلوم رہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنتوں میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو کتاب اللہ کے مخالف ہو"۔ [الحجۃ فی بیان المحجۃ: ۲/۴۲۶]

امام ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"قرآن اور صحیح حدیث متفق ہوتے ہیں، دونوں ایک ہیں، ان میں کوئی تعارض اور اختلاف نہیں ہوتا، اسکے فہم کی توفیق اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے محروم کر دیتا

ہے"۔[الاحکام فی اصول الاحکام:۱/۹۶]

اور سنت سنت کے درمیان عدم تفریق سے مراد یہ ہے کہ خبر متواتر اور خبر آحاد کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی۔

خبر متواتر ایسی حدیث کو کہتے ہیں جسے ایک بڑی جماعت روایت کرے کہ جن کا جھوٹ پر اتفاق کرنا عادتاً محال ہو۔

اور خبر آحاد اس حدیث کو کہتے ہیں جو متواتر نہ ہو۔جسے کبھی ایک،کبھی دو اور کبھی دو سے زیادہ روایت کرتے ہیں مگر وہ تواتر کی حد تک نہیں پہونچتے۔

اور جب کوئی حدیث نبی اکرم ﷺ سے صحیح ثابت ہو جائے تو پھر ایسی صورت میں سنت متواترہ اور سنت آحادیہ میں کوئی فرق نہیں ہوتا،اس پر دلیلیں بے شمار ہیں،ان میں کچھ درج ذیل ہیں:

۱-ارشاد باری تعالی ہے:﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ [الحشر:۷] ترجمہ:اور تمہیں جو کچھ رسول دے لے لو،اور جس سے روکے رک جاؤ۔

چنانچہ اب ایسی صورت میں اگر کوئی نبی اکرم ﷺ کی سنت کے درمیان تفریق کرتا ہے تو وہ اللہ کے حکم کی مخالفت کرتا ہے،کیونکہ آیت کے اندر اللہ عزوجل نے ہمیں ہر اس چیز کو لینے کا حکم دیا ہے جسے رسول اللہ ﷺ ہمیں دیں،اور یہاں پر سنت متواترہ اور سنت آحادیہ میں کوئی تفریق نہیں کی گئی ہے،اگر متواتر اور آحاد کے درمیان کوئی فرق ہوتا تو اسے اللہ تعالی ضرور واضح کرتا اور تفریق بیان کر دیتا۔

۲-ارشاد باری تعالی ہے:﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ [النساء:۶۵] ترجمہ:سو قسم ہے تیرے پروردگار کی!یہ مومن نہیں ہو سکتے،جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں،پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں اور کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور

فرمانبرداری کے ساتھ قبول کرلیں۔

یہ آپ ﷺ کی حیات طیبہ کی بات ہے، مگر آپ کی وفات کے بعد آپ کی سنت کو فیصل بنایا جائے گا، اور یہ آپ ﷺ کی تمام سنتوں کو شامل ہے خواہ وہ سنت متواترہ ہوں یا سنت آحادیہ ہوں، افادہ علم اور وجوب عمل میں دونوں برابر ہیں ان میں کوئی فرق نہیں ہے، اگر کوئی فرق ہوتا تو اسے اللہ تعالی ضرور واضح کرتا اور تفریق بیان کر دیتا، مگر جب یہ تفریق نہ تو اللہ تعالی کی طرف سے بیان کی گئی اور نہ ہی اسکے رسول ﷺ کی طرف سے بیان کی گئی تو اس سے واضح ہوا کہ استدلال اور وجوب عمل کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

۳-ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾ [الحجرات:٦] ترجمہ: اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کرلیا کرو ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچا دو پھر اپنے کیے پر پشیمانی اٹھاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے اندر وضاحت اور تحقیق کرنے کا حکم دیا ہے جب کوئی فاسق شخص تنہا خبر دے، کیونکہ اس کی خبر میں سچائی کا احتمال ہے، اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ثقہ عادل کی خبر مقبول ہے۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''یہ یقینی طور پر دلالت کرتا ہے کہ خبر واحد کو قبول کیا جائے گا، اس میں تحقیق کی ضرورت نہیں ہے، اگر اسکی خبر علم کا فائدہ نہیں دیتی تو ایسی صورت میں تحقیق کا حکم ضرور ہوتا تاکہ علم ویقین حاصل ہو جائے''۔

[مختصر الصواعق المرسلۃ:۵۷۷]

۴۔عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: "نَضَّرَ اللَّهُ امْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِي فَبَلَّغَهَا، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرِ فَقِيهٍ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ"۔ [سنن ابن ماجہ:۲۳۰،مسند أحمد:۴۲۴۰،سنن أبي داود:۳۶۶۰،سنن الترمذی:۲۶۵۶،وصححہ الألباني]

ترجمہ: سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ اس شخص کو تر وتازہ رکھے جس نے میری کوئی حدیث سنی اور اسے دوسروں تک پہنچایا، اس لیے کہ بعض علم رکھنے والے خود فقیہ نہیں ہوتے ہیں، اور بعض علم کو اپنے سے زیادہ فقیہ تک پہنچاتے ہیں“۔

حدیث سے علم دین اور اس کی تبلیغ کی فضیلت معلوم ہوئی، نیز معلوم ہوا کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوگا، قرآن وحدیث کی تعلیم وتبلیغ کی ترغیب کے ساتھ ساتھ اس میں بشارت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ کے بعد بھی بہت سارے لوگ دین میں تفقہ و بصیرت حاصل کریں گے، اور مشکل مسائل کا حل قرآن وحدیث سے تلاش کیا کریں گے، اور یہ محدثین کا گروہ ہے، ان کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعائے خیر فرمائی، اور یہ معاملہ قیامت تک جاری رہے گا، اور اس میں ان لوگوں کی تردید بھی ہے جو اجتہاد کے دروازہ کو بغیر کسی شرعی دلیل کے بند مانتے ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”یہاں پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بات سننے، اسے یاد رکھنے اور پھر اسے دوسروں تک پہونچانے پر ابھارا ہے، اور یہ فرد واحد کی بات ہے جس سے پتہ چلا کہ اللہ عز وجل اسی چیز کا حکم دے گا جس سے حجت پوری ہو جائے، کیوں کہ اس میں یا تو حلال اور حرام کی تبلیغ ہوگی یا حد کے قیام کی، مال کے لینے اور دینے کی تبلیغ ہوگی یا تو دین اور دنیا سے متعلق کسی نصیحت کی تبلیغ ہوگی، اور یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ اس خبر کو پہونچانے والا اور تبلیغ کرنے والا اسے محض یاد کرنے والا ہو مگر فقیہ اور اسکا سمجھ دار نہ ہو“۔ [الرسالۃ:۴۰۲]

٥-عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: بَيْنَمَا النَّاسُ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ بِقُبَاءٍ، إِذْ جَاءَهُمْ آتٍ، فَقَالَ: "إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، قَدْ أُنْزِلَ عَلَيْهِ اللَّيْلَةَ، وَقَدْ أُمِرَ أَنْ يَسْتَقْبِلَ الْكَعْبَةَ، فَاسْتَقْبَلُوهَا، وَكَانَتْ وُجُوهُهُمْ إِلَى الشَّامِ، فَاسْتَدَارُوا إِلَى الْكَعْبَةِ". [متفق علیہ]

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ لوگ قبا میں فجر کی نماز پڑھ رہے تھے اتنے میں ایک شخص آیا اور کہنے لگا رات کو رسول اللہ ﷺ پر قرآن اترا اور کعبے کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا۔ یہ سن کر لوگ کعبے کی طرف پھر گئے اور پہلے ان کے منہ شام کی طرف تھے پھر کعبے کی طرف گھوم گئے۔

صحابہ کرام نے تحویل قبلہ جیسے عظیم مسئلے میں خبر واحد کو قبول کیا، چنانچہ اس شخص کی بات فوراً مان لی اور نماز ہی کی حالت میں فوری طور پر قبلہ بدل لیا، اس بات کا بالکل انتظار نہیں کیا کہ نماز پوری کرتے پھر اس شخص کی خبر کی رسول اللہ ﷺ سے جا کر تحقیق کرتے۔

٦- رسول اللہ ﷺ بادشاہوں کے پاس فرد واحد کو قاصد بنا کر بھیجتے تھے، اور ان کے ساتھ کبھی کبھی دوسرے افراد کو بھی بھیجتے تھے تا کہ وہ وہاں پر جا کر لوگوں کو دین کی باتیں سکھائیں، جیسا کہ یمن کی طرف سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا، اور سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بھیجتے وقت فرمایا تھا:

”إِنَّكَ تَقْدَمُ عَلَى قَوْمٍ أَهْلِ كِتَابٍ، فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ عِبَادَةُ اللَّهِ، فَإِذَا عَرَفُوا اللَّهَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي يَوْمِهِمْ وَلَيْلَتِهِمْ، فَإِذَا فَعَلُوا فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللَّهَ فَرَضَ عَلَيْهِمْ زَكَاةً مِنْ أَمْوَالِهِمْ وَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ، فَإِذَا أَطَاعُوا بِهَا فَخُذْ مِنْهُمْ وَتَوَقَّ كَرَائِمَ أَمْوَالِ النَّاسِ“. [متفق علیہ]

ترجمہ: دیکھو! تم ایک ایسی قوم کے پاس جا رہے ہو جو اہل کتاب (عیسائی یہودی) ہیں۔ اس لیے سب سے پہلے انہیں اللہ کی عبادت کی دعوت دینا۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کو پہچان لیں (یعنی اسلام قبول کر

لیں) تو انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جب وہ اسے بھی ادا کریں تو انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض قرار دی ہے جو ان کے سرمایہ داروں سے لی جائے گی (جو صاحب نصاب ہوں گے) اور انہیں کے فقیروں میں تقسیم کر دی جائے گی۔ جب وہ اسے بھی مان لیں تو ان سے زکوٰۃ وصول کرنا۔ البتہ ان کی عمدہ چیزیں (زکوٰۃ کے طور پر لینے سے) پرہیز کرنا۔

اگر خبر واحد کے ذریعے حجت قائم نہیں ہوتی، اور خبر واحد کو مسائل اعتقاد میں قبول نہیں کیا جاتا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور ایک ایسی جماعت کو بھیجتے جو تواتر کے حد کو پہونچ جاتی جو وہاں جا کر لوگوں کو دین وعقیدے کی باتیں سکھاتے۔

اور حدیث اس بات میں بالکل صریح اور واضح ہے کہ اللہ کے دین میں سب سے پہلے جس چیز کی دعوت اور تعلیم دی جائے گی وہ عقیدہ ہوگا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''دین اور عقیدے کی باتیں سکھانے کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکی طرف صرف فرد واحد کو بھیجا جسکے بارے میں انہیں یہ معلوم تھا کہ وہ سچا ہے، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سلم لوگوں کو دین سکھانے کیلئے اسی حالت میں بھیجیں گے جب یہ پتہ ہو کہ حجت قائم ہوگی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے وہ اس فرد واحد کی بات قبول کریں گے''۔ [الرسالۃ: ۴۱۲]

اور خبر واحد کی حجیت اور اسکے قبول کرنے کے تعلق سے سلف کے اقوال بھی بے شمار ہیں جن میں سے چند کا ذکر درج ذیل ہے:

۱- امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا:

''مسلمانوں کا شروع سے آج تک اس بات پر اتفاق ہے کہ خبر واحد کو حجت مانا جائے گا اور اس پر عمل کیا جائے گا، کیونکہ فقہائے اسلام میں سے ہر ایک نے اسے حجت مانا ہے، بلکہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ خبر

واحد کے حجت ہونے میں فقہائے اسلام میں سے کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے''۔ [الرسالۃ:۴۵۷]

۲-امام شافعی رحمہ اللہ نے مزید کہا:

''خبر واحد کے حجت ہونے میں بہت ساری حدیثیں ہیں جن میں ایک یہ بھی ہے، شروع سے لیکر آج تک کے تمام مسلمانوں کا یہی طریقہ رہا ہے، جس طرح کہ اس تعلق سے بہت سارے اہل علم کے واسطے ہم تک بات پہونچی ہے''۔ [الرسالۃ:۴۵۳]

۳-ابن حبان رحمہ اللہ نے کہا:

''جو خبر آحاد کے قبول کرنے سے پیچھے ہٹے وہ گویا تمام حدیثوں کے ترک کرنے کے درپے ہے، کیونکہ حدیثوں کا وجود آحاد (افراد) کے روایت کرنے ہی پر منحصر ہے''۔ [صحیح ابن حبان:۱/۱۵۶]

۴-ابوالمظفر سمعانی رحمہ اللہ نے کہا:

''جب کوئی خبر رسول اللہ سے صحیح ثابت ہوجائے، اور اسے ثقہ راویوں نے روایت کیا ہو، اور اس طرح خلف نے اپنے سلف سے روایت کرتے ہوئے اس کی سند کو رسول اللہ ﷺ تک پہنچائی ہو، اور امت نے اس خبر کو قبول کیا ہو، تو ایسی صورت میں وہ خبر علم یقین کا فائدہ دے گی، یہ عام اہل حدیث کا قول ہے جو سنت پر قائم ہیں، مگر جو یہ بیان کیا جاتا ہے کہ خبر واحد کسی صورت میں بھی علم یقین کا فائدہ نہیں دے گی، علم یقین کیلئے ضروری ہے کہ اس خبر کو لوگ تواتر کے ساتھ روایت کریں، تو اس اصول کو قدریہ اور معتزلہ نے گڑھا ہے، اور انکا اس سے مقصد حدیثوں کا رد کرنا ہے۔ اور انہیں سے بعض ان فقہاء نے بھی اسی قول کو لے لیا جنہیں علم حدیث میں درک حاصل نہیں ہے، اور نہ ہی یہ لوگ انکا مقصد سمجھ سکے ہیں''۔ [الانتصار لاصحاب الحدیث:۳۴]

۵-ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے کہا:

''تمام سلف اس بات کے قائل ہیں کہ خبر واحد اعتقادات میں حجت ہوگی، اسی کی بنیاد پر دوستی اور

دشمنی کی جاتی ہے، اسی پر جماعت اہل سنت قائم ہیں"۔ [التمھید: ۱/۸]

اور جہاں تک عقیدہ اور احکام کے باب میں خبر واحد کو قبول کرنے اور اسکی حجیت کے تفریق کرنے کا تعلق ہے تو اس بارے میں **ابن القیم رحمہ اللہ** نے کہا ہے:

"یہ تفریق باجماع امت باطل ہے، کیونکہ خبر واحد سے جس طرح احکام کے باب میں حجت پکڑا گیا اسی طرح عقائد کے باب میں بھی حجت پکڑا گیا ہے، بطور خاص احکام کے باب میں اللہ تعالی کے تعلق سے یہ خبر دی جاتی ہے کہ اس نے اس چیز کو مشروع کیا ہے اور اس چیز کو واجب کیا ہے، اور اس چیز سے بطور دین کے راضی ہوا ہے، اس طرح اسکی شریعت اور اسکا دین اللہ کے اسماء وصفات کی طرف لوٹتے ہیں، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرام، تابعین عظام سے لیکر اہل حدیث اور دیگر سلف صالحین ان خبروں (آحاد) سے اسماء وصفات، تقدیر اور احکام تمام ابواب میں حجت پکڑتے رہے ہیں، اور ان میں سے کسی سے یہ منقول نہیں ہے کہ خبر واحد سے احتجاج کرنا صرف مسائل احکام میں جائز ہے مگر اللہ عزوجل اور اسکے اسماء وصفات کے باب میں جائز نہیں ہے، پھر ان دونوں ابواب کے درمیان یہ تفریق کرنے والوں کے سلف کہاں گئے؟

ہاں ان کے سلف ہیں مگر وہ بعد کے متاخرین اہل کلام ہیں جنہیں اللہ، اسکے رسول ﷺ اور صحابہ کرام کے بارے میں وارد ہونے والی خبروں کے تعلق سے کوئی اہتمام نہیں ہے، بلکہ وہ عقائد کے باب میں کتاب وسنت اور اقوال صحابہ سے دور بھاگتے ہیں اور اپنے اذہان وقلوب پر مہر لگا لیتے ہیں، اس باب میں وہ صرف متکلمین کے آراء وقواعد پر بھروسہ کرتے ہیں، تو یہی انکے سلف ہیں جن کے بارے میں معروف ہے کہ یہ دونوں ابواب کے درمیان تفریق کرتے ہیں"۔ [مختصر الصواعق المرسلۃ: ۴۸۹]

تیسرا قاعدہ

نصوص شرعیہ کو انکے ظاہر پر محمول کرنا

اس قاعدے کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ پہلے ہم سمجھ لیں کہ عربوں کی زبان میں الفاظ کی کئی دلالتیں ہوتی ہیں، اور اسی طرح معانی پر الفاظ کی دلالتیں ایک درجے کی نہیں ہوتی ہیں، مثال کے طور پر لفظ طلاق کہ یہ کبھی صریح ہوتا ہے تو کبھی کنایہ ہوتا ہے، اور دونوں طلاق ہی پر دلالت کرتے ہیں، مگر جب آپ طلاق صریح کہتے ہیں تو اس سے صریح دلالت مراد لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ لفظ اپنے معنی پر صراحت کے ساتھ دلالت کرتا ہے، اسی لئے اہل علم نے الفاظ کو انکی دلالت کے اعتبار سے نصوص شرعیہ کی دو قسمیں کی ہیں:

پہلی قسم:

جس کے اندر صرف ایک ہی معنی کا احتمال ہو جیسے کہ اللہ تبارک وتعالی کا یہ قول ہے: ﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾ [سورہ بقرہ:۴۳]

یہاں پر صرف اقامت صلاۃ ہی کا احتمال ہے۔

اسی طرح اللہ تعالی کا یہ قول ہے: ﴿وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [سورہ بقرہ:۲۷۵]

یہاں بھی صرف حرمت سود کا احتمال ہے۔

دوسری قسم:

جسکے اندر ایک سے زائد معنی کا احتمال ہو، جیسے کہ (اسد) کا لفظ کہ یہ کئی معنوں کیلئے آتا ہے: درندہ جو کہ معروف جانور ہے، بہادر آدمی، البتہ دونوں میں فرق یہ ہیکہ پہلی دلالت دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہے۔

اسی طرح لفظ (العین) ہے۔ اس کے اندر بھی کئی معنوں کا احتمال موجود ہے:

۱- آنکھ جس سے انسان دیکھتا ہے۔

۲- پانی کا چشمہ۔

۳- جاسوس۔

البتہ ان میں فرق یہی ہے کہ بعض پر بعض کے مقابلے اس کی دلالت زیادہ قوی ہے۔

وہ لفظ جس کے اندر ایک سے زائد معنی کا احتمال ہوتا ہے اہل علم اس کی بھی دو قسمیں کرتے ہیں:

پہلی قسم:

جس کی دلالت متبادر ذہنی معنی پر زیادہ قوی ہو، گرچہ ساتھ میں دوسرے معنوں کا بھی احتمال پایا جاتا ہو، اسی کو ظاہری یا راجح یا قریبی معنی کہتے ہیں، جیسے کہ لفظ (ید) کی دلالت انسان کے ہاتھ پر اور لفظ (اسد) کی دلالت درندہ جانور شیر پر۔

دوسری قسم:

جس کی دلالت غیر ظاہری معنی پر زیادہ قوی ہو، اسی کو موول، مرجوح یا بعید معنی کہتے ہیں، جیسے کہ لفظ (ید) کی دلالت نعمت اور قوت کے معنی پر۔

ظاہری نصوص پر عمل کرنا شرعی واجب ہے الا یہ کہ کوئی دلیل، یا کوئی شرعی قرینہ ہو جو اس بات پر دلالت کرے کہ ظاہری معنی مراد نہیں ہے یعنی جو ظاہری معنی مراد لینے سے پھیر دے، اور اس کی مثال اللہ تعالی کا یہ قول ہے: ﴿أَتَىٰ أَمْرُ اللَّهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ [النحل:۱]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا حکم آپہنچا، اب اس کی جلدی نہ مچاؤ۔ تمام پاکی اس کے لیے ہے وہ برتر ہے ان سب سے جنہیں یہ اللہ کے نزدیک شریک بتلاتے ہیں۔

یہاں پر ﴿أَتَىٰ﴾ فعل ماضی ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حکم واقع ہو چکا اور اسکا معاملہ ختم ہو گیا، اور یہ قریب واقع ہونے والے امر پر بھی دلالت کرتا ہے یعنی وہ امر آنے والا ہے، اور یہاں اللہ کے امر سے مراد قیامت ہے اور قیامت اب تک قائم نہیں ہوئی ہے، اس پر لفظ اور حال دونوں دلالت

کرتے ہیں، اسلئے یہاں فعل (اتی) کا معنی قریب واقع ہونے والا امر ہوگا۔

آیت کے اندر قرینہ بھی پایا جاتا ہے جو اسکے ظاہری معنی سے پھیرتا ہے اور وہ قرینہ اللہ کا یہ قول ہے: ﴿فَلَا تَسْتَعْجِلُوهُ﴾، یہ جملہ بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ امر اب تک واقع نہیں ہوا ہے۔

اس طرح لفظ (اتی) کا ایک ظاہری معنی ہے، اور وہ ماضی میں کسی چیز کا آنا ہے، اور اس کا ایک موول معنی بھی ہے اور یہ کہ کسی امر کا مستقبل قریب میں آنا، چنانچہ یہاں پر قرینہ ہونے کی وجہ سے ہم موول معنی مراد لیں گے، ظاہری معنی مراد نہیں لیں گے قرینہ شرعیہ کی وجہ سے جو کہ معنی موول پر دلالت کرتا ہے۔

اور چونکہ قرآن پاک فصیح عربی زبان میں نازل ہوا ہے اسکے ذریعے عربوں کو خطاب کیا گیا ہے، اور اسکے ذریعے ان پر حجت بھی قائم کردی گئی ہے، اس لئے ہم اس کے ظاہری لفظ سے موول معنی کی طرف اسی وقت جائیں گے جب اسکے لئے کوئی واضح دلیل یا کوئی شرعی قرینہ ہو۔

اسی طرح مؤذن کا قول: ''قَد قامَتِ الصَّلاۃُ'' بھی ہے، کیونکہ فعل (قام) اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نماز قائم ہو چکی ہے، مگر ساتھ ہی اسکا ایک معنی یہ بھی ہے کہ قریب ہی نماز قائم ہونے والی ہے، اسی لئے مؤذن کہتا ہے: ''قَد قامَتِ الصَّلاۃُ'' تو کیا اسکا معنی یہ ہوتا ہے کہ نماز قائم ہو چکی؟ یا اسکا مطلب فقط یہ اعلان کرنا ہے کہ نماز عنقریب قائم ہونے والی ہے؟ بلا شبہ یہی دوسرا معنی مراد ہے، اسی لئے ہم (قامت) کے ظاہری معنی (قائم ہو کر ختم ہو جانا) سے نکل کر موول معنی (قریب ہی نماز قائم ہونے والی ہے) کی طرف چلے آئے ہیں، اس لئے کہ جو بھی مؤذن کی یہ بات سنتا ہے اسے علم ہوتا ہے کہ نماز ابھی قائم نہیں ہوئی ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''قرآن پاک عربی زبان میں نازل ہوا ہے اور اسکے اندر جو احکامات موجود ہیں وہ اپنے ظاہر اور عموم پر دلالت کرتے ہیں، کسی کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ظاہر کو باطن یا عام کو خاص پر محمول کرے جب

تک کتاب اللہ اس پر دلالت نہ کرے، اگر کتاب اللہ سے کوئی دلیل نہ ہو تو سنت رسول اس پر دلالت کرے کہ وہ عام نہیں خاص ہے ظاہر نہیں اس سے باطن مراد ہے، یا پھر اجماع علماء ہو، یہی سنت کا طریقہ ہے، اور اگر یہ جائز ہوتا کہ حدیث کے ظاہری معنی کو کسی باطنی معنی کی طرف پھیرا جائے تو ایسی صورت میں اکثر حدیث بہت سارے معانی کا احتمال رکھتے، اور کسی کیلئے پھر یہ جائز نہ ہوتا کہ وہ کسی دوسرے پر حجت قائم کرسکے اگر کوئی اس حدیث کا غلط معنی مراد لے رہا ہے، مگر صحیح بات یہی ہے کہ اس میں حق ایک ہی ہے، کیونکہ وہ حدیث ظاہر کیلئے ہے یا عموم کیلئے یہ دلالت رسول اللہ ﷺ کی طرف سے معلوم ہوگی، یا عام اہل علم کی طرف سے کہ اس سے خاص معنی مراد ہے نہ کہ عام، باطن مراد ہے نہ کہ ظاہر"۔ [اختلاف الحدیث:۴۸۰]

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا:

"اللہ رب العالمین کے تعلق سے یہ اور اس طرح کی دیگر صفات جو وارد ہوئی ہیں ان پر ایمان لانا واجب ہے، اور انہیں انکے ظاہر پر محمول کیا جائے گا، تاویل اور تشبیہ سے دوری اختیار کی جائے گی، اور یہ اعتقاد رکھا جائے گا کہ اللہ کی صفات میں سے کوئی بھی صفت مخلوق کی صفات کے مشابہ نہیں ہے جس طرح کہ اسکی ذات مخلوق کی ذات کے مشابہ نہیں ہے"۔ [شرح السنۃ:۱/۱۷۰]

ابن ابی عاصم رحمہ اللہ نے کہا ہے:

"میں نے اپنی کتاب (کتاب السنۃ الکبیر) کے اندر اس کے ابواب کے تحت جتنی بھی خبریں ذکر کی ہیں وہ علم ویقین کا فائدہ دیتی ہیں، سو ہم ان کی صحت اور انکے ناقلین کی عدالت پر یقین کرتے ہیں، چنانچہ صفات باری تعالی کے تعلق سے انکے ظاہر کو تسلیم کرنا اور انکی کیفیت کے بارے میں کلام نہ کرنا ضروری ہے"۔ [العلو:۱۹۷]

ابو القاسم التیمی رحمہ اللہ نے کہا ہے:

"امام مالک، ثوری، اوزاعی، شافعی، حماد بن سلمہ، حماد بن زید، احمد، یحی بن سعید القطان، عبد

الرحمن بن مہدی اور اسحاق بن راہویہ کا یہی مذہب ہے کہ اللہ اور اسکے رسول نے سمع و بصر اور ہاتھ اور چہرے نیز ان جیسے دیگر صفات باری تعالی کے تعلق سے جو کچھ کہا ہے انہیں ظاہر پر محمول کیا جائے گا، یہی مشہور ہے، ان کے اندر کسی تکلیف، تشبیہ اور تاویل کی گنجائش نہیں ہے"۔ [العلو: ۲۶۳]

امام شوکانی رحمہ اللہ نے کہا ہے:

"صحابہ، تابعین اور تبع تابعین جیسے سلف صالحین کا مذہب یہی ہے کہ صفات باری تعالی کے تعلق سے جتنی دلیلیں وارد ہوئی ہیں انہیں انکے ظاہر پر محمول کیا جائے گا، ان میں تحریف نہیں کی جائے گی، ان میں کسی طرح کی تاویل جائز نہیں ہے، اور نہ ہی کسی جبر، تشبیہ اور تعطیل کی ضرورت ہے جن کی وجہ سے اکثر تاویلیں کرنا پڑتی ہیں"۔ [التحف فی مذهب السلف: ٦٤]

ابوالقاسم اسماعیل اصبہانی رحمہ اللہ نے کہا:

"سلف صالحین کا مذہب یہی ہے کہ ان صفات کو انکے ظاہر پر محمول کیا جائے اور انکے اندر کیفیت بیان کرنے سے پرہیز کیا جائے۔ کچھ لوگوں نے ان صفات کی نفی کر دی جنہیں اللہ نے ثابت کیا ہے اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو ثابت تو کرتے ہیں مگر انکی کیفیت بیان کرنے لگتے ہیں۔ اور بہتر طریقہ ان دونوں کے درمیان والا متوسط طریقہ ہے، اور یہ اسلئے کہ صفات پر کلام کرنا ذات پر کلام کرنے کا فرع ہے، اور ذات کو ثابت کرنا وجود کو ثابت کرنا ہے نہ کہ کیفیت کو، اور یہی معاملہ صفات کو ثابت کرنے کا بھی ہے، اور اسی لئے ہم نے صفات کو ثابت کیا ہے کیوں کہ اس بارے میں توقیف وارد ہوا ہے، اور سلف صالحین نے اسی پر عمل کیا ہے"۔ [الحجہ فی بیان المحجہ: ۱/۱۹۰]

امام خطابی رحمہ اللہ نے کہا ہے:

"اور جہاں تک آپ کا صفات کے بارے میں اور کتاب اللہ اور سنتِ رسول میں انکے وارد ہونے کے تعلق سے سوال کرنا ہے تو اس تعلق سے سلف صالحین کا مذہب یہی ہے کہ انہیں انکے ظاہر پر محمول کیا

جائے اور انکی کیفیت اور تشبیہ بیان نہ کی جائے"۔ [العلو:۲۳۶]

امام ذہبی نے خطابی رحمہ اللہ کے کلام کے بعد تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

"اور اسی طرح حافظ ابو بکر الخطیب اور حافظ ابو القاسم تیمی اصبہانی وغیرہ نے اس تعلق سے سلف کا اتفاق نقل کیا ہے"۔

ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے کہا ہے:

"سلف نے انہیں نقل کیا اور ان کے تعلق سے کچھ بھی تبصرہ کرنے سے خاموشی اختیار کی، وہ لوگوں میں علم وفہم کے اعتبار سے بہت عمیق اور وسیع تھے اور کسی طرح کوئی تکلف نہیں کرتے تھے، اور انکی خاموشی عدم علم کی بنیاد پر نہیں تھی، اس لئے صفات کے تعلق سے اگر کوئی وہی موقف اختیار نہ کرے جو انہوں نے اختیار کیا تو ناکام اور خسارہ اٹھانے والا ہوگا"۔ [جامع بیان العلم وفضلہ:۲/۹۷]

اور آپ نے مزید کہا:

"کتاب وسنت کے اندر جو بھی صفات وارد ہوئے ہیں انکے تسلیم کرنے پر اہل سنت کا اتفاق ہے، نیز ان پر ایمان لانا اور انکی حقیقت پر محمول کرنا نہ کہ مجاز پر، اسی طرح یہ ان کے اندر کیفیت بیان نہیں کرتے ہیں اور نہ ہی اسکے لئے کسی صفت میں محصور کرتے ہیں"۔ [التمھید:۷/۱۴۵]

قاضی ابو یعلی رحمہ اللہ نے کہا ہے:

"اور تاویل کے ابطال پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام نے انہیں انکے ظاہر پر محمول کیا ہے، انہوں نے نہ تو انکی کوئی تاویل کی ہے اور نہ ہی انکے ظاہر سے انہیں پھیرا ہے، اگر ان کی تاویل کرنا جائز ہوتا تو وہ ضرور تاویل کرتے تاکہ تشبیہ کا ازالہ ہو سکے"۔ [ابطال التاویلات:۱/۷۱]

امام ذہبی رحمہ اللہ نے کہا:

"یہاں ظاہری معنی سے مراد یہ ہیکہ کتاب وسنت کے اندر جو الفاظ وارد ہوئے ہیں انکا ظاہری معنی

مراد لیا جائے جن کیلئے وہ الفاظ بنائے گئے ہیں نا کہ اپنی طرف سے کسی باطنی معنی کو مراد لیا جائے جن کیلئے ان الفاظ کو وضع نہیں کیا گیا ہے"۔ [العلو:۲۵۴]

مزید آپ نے کہا:

"اور جیسا کہ سفیان ثوری نے کہا کہ میں نے صفات باری تعالی کی تفسیر پڑھی ہے، جو کہ لغت میں بہت ہی واضح اور صریح ہے، اسکے لئے کسی تاویل اور تحریف کی ضرورت نہیں ہے، اسی پر سلف کا اتفاق ہے اور یہی انکا مذہب ہے کہ صفات باری تعالی صفات بشر سے کسی طور پر بھی مشابہ نہیں ہیں، کیونکہ اللہ تعالی کا کوئی مثیل ونظیر نہیں نہ ہی اسکی ذات میں اور نہ ہی اسکے صفات میں"۔ [العلو:۲۵۱]

ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں کہا ہے:

"اللہ رب العالمین کے تعلق سے جو معنی متبادر اور ظاہر ہے وہ مشبہہ کے ذہنوں میں نہیں بیٹھتا؛ حالانکہ اللہ تعالی اپنی مخلوق سے کسی بھی چیز میں مشابہ نہیں ہے"۔ [تفسیر ابن کثیر:۲/ ۲۶۹، سورۃ الأعراف: ۵۴]

خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے کہا:

"اور جہاں تک صفات باری تعالی کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں صحیح حدیثوں کے اندر جو کچھ بھی وارد ہوا ہے اس میں سلف کا مذہب یہی ہے کہ انہیں انکے ظاہر پر محمول کیا جائے اور انہیں کیفیت اور تشبیہ سے پاک رکھا جائے، اور اس میں اصول یہ ہیکہ صفات باری تعالی پر کلام کرنا ذات پر کلام کرنے کا فرع ہے، چنانچہ صفات میں وہی اصول اپنائیں گے جسے آپ ذات باری میں اپناتے ہیں، چنانچہ جب یہ معلوم ہے کہ رب العالمین کی ذات کے اثبات میں اس کے وجود کو ثابت کرنا ہوتا ہے نہ کہ اسکی تحدید اور تکییف، اسی طرح صفات میں بھی وجود صفات کو ثابت کیا جائے گا نہ کہ تحدید وتکییف، اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ ہم صفات کو ثابت کرتے ہیں کیوں کہ یہ توقیفی ہیں"۔ [ذم التاویل لابن قدامۃ: ص ۱۵]

ابن القیم رحمہ اللہ نے تاویل کی سنگینی سے متعلق کہا:

”دین و دنیا کی خرابی کی جڑ تاویل ہے جسے اللہ اور اسکے رسول نے اپنے کلام میں مراد نہیں لیا ہے، اور نہ ہی اس کلام سے یہ سمجھا جا سکتا ہے۔ اور انبیاء سے انکی قوموں نے اسی تاویل کی وجہ سے جھگڑا کیا تھا، اور اس امت کے اندر جتنے بھی چھوٹے بڑے فتنے رونما ہوئے سب اسی تاویل کی وجہ سے، اور اسی تاویل کے باب سے لوگ فتنوں میں داخل ہوئے ہیں۔

چنانچہ معصوم مسلمانوں کے خون اسی تاویل کی وجہ سے بہائے گئے، اور یہ صرف دین اسلام ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ اسکا تعلق تمام ادیان کے ساتھ رہا ہے کہ لوگ استقامت پر قائم رہے ہیں مگر جیسے ہی انہوں نے تاویل کر کے اپنے رسولوں کے منہج سے اختلاف کیا تو فتنوں میں جا پڑے، اور پھر اپنے دین اور دنیا دونوں کو اپنے ہاتھوں تباہ کر لیا“۔ [اعلام الموقعین: ۴/ ۲۷۵]

چوتھا قاعدہ

نصوص شرعیہ کے تعلق سے فہم صحابہ کا التزام اور انکی اتباع

یعنی ہم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی تفسیر میں صحابہ کرام کے فہم کو لیں گے، ان میں سب سے اہم: عقیدہ ہے۔

چنانچہ نصوص شرعیہ میں فہم صحابہ کا التزام واجب ہے، اور اس وجوب پر بہت سی دلیلیں موجود ہیں جن میں سے چند کا ذکر درج ذیل ہے:

۱- ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ [التوبۃ:۱۰۰] ترجمہ: اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔

اللہ تعالی نے اس آیت کے اندر یہ ذکر کیا ہے کہ وہ دو گروہ سے راضی اور خوش ہے، اور وہ دونوں گروہ درج ذیل ہیں:

-صحابہ کرام خواہ انکا تعلق مہاجرین سے ہو یا انصار سے۔

-وہ لوگ جو صحابہ کے منہج پر چلنے والے ہیں۔

ساتھ ہی اس آیت سے یہ بھی سمجھ میں آرہا ہے کہ ایک تیسرا گروہ بھی ہے جس سے اللہ راضی نہیں ہے، اور یہ وہ گروہ ہے جو صحابہ کرام کے منہج پر نہیں چلتا ہے، اور صحابہ کے منہج پر چلنے کا مطلب یہ ہیکہ نصوص شرعیہ کے سمجھنے اور انہیں تطبیق دینے یعنی ان کے مطابق عمل کرنے میں صحابہ کرام کی اتباع کی جائے۔

۲- ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ [النساء: ۱۱۵] ترجمہ: جو شخص باوجود راہ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بھی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خلاف کرے اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے، ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہو اور دوزخ میں ڈال دیں گے، وہ پہنچنے کی بہت ہی بری جگہ ہے۔

یہاں پر اللہ تعالی نے ان لوگوں کو وعید سنائی ہے جو مومنوں کے راستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستے پر چلتے ہیں، اور یہاں مومنوں سے مراد صحابہ کرام ہیں، اس لئے کہ اس آیت کے نزول کے وقت صحابہ کرام کے سوا کوئی دوسری مومن جماعت نہیں تھی، اور صحابہ کا راستہ عقیدہ، شریعت اور اخلاق میں انکا دینی راستہ اور منہج ہے۔

۳- اللہ تعالی نے صحابہ کرام کی تعریف کئی آیتوں میں کی ہے، ایک جگہ انکے عقیدے کا تزکیہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ [البقرۃ: ۱۳۷] ترجمہ: اگر وہ تم جیسا ایمان لائیں تو ہدایت پائیں، اور اگر منہ موڑیں تو وہ صریح اختلاف میں ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے عنقریب آپ کی کفایت کرے گا اور وہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالی نے صحابہ کرام کے اعمال ظاہرہ اور اعمال باطنہ کا بھی تزکیہ کیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾ [الفتح:۲۹] ترجمہ: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ کافروں پر سخت ہیں آپس میں رحمدل ہیں، تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع اور سجدے کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں ہیں، ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے، ان کی یہی مثال تورات میں ہے اور ان کی مثال انجیل میں ہے، مثل اسی کھیتی کے جس نے اپنا انکھوا نکالا، پھر اسے مضبوط کیا اور وہ موٹا ہوگیا پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہوگیا اور کسانوں کو خوش کرنے لگا تاکہ ان کی وجہ سے کافروں کو چڑائے، ان ایمان والوں اور نیک اعمال والوں سے اللہ نے بخشش کا اور بہت بڑے ثواب کا وعدہ کیا ہے۔

بلکہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کا تزکیہ قیامت کے دن کیلئے بھی کیا ہے بایں طور کہ انہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن رسوا نہیں کرے گا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ [التحریم:۸] ترجمہ: جس دن اللہ تعالیٰ نبی کو اور ایمان والوں کو جو ان کے ساتھ ہیں رسوا نہ کرے گا۔ ان کا نور ان کے سامنے اور ان کے دائیں دوڑ رہا ہوگا۔ یہ دعائیں کرتے ہوں گے اے ہمارے رب ہمیں کامل نور عطا فرما اور ہمیں بخش دے یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔

۴-صحابہ کرام کے اتباع کے وجوب پر یہ بھی دلالت کرتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جس وقت یہ خبر دی تھی کہ یہ امت ستر سے زائد فرقوں میں بٹ جائے گی اور یہ سارے فرقے ہلاک ہونے والے ہیں سوائے ایک فرقے کے، اس وقت آپ ﷺ نے اس فرقے کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ یہ وہ گروہ ہوگا جو اس منہج اور طریقے پر چلے گا جس پر میں اور میرے صحابہ قائم ہیں۔

یہاں پر منہج اور طریقے سے مراد دینی امور میں منہج اور طریقہ ہے، چنانچہ ہمارا عقیدہ اور عمل اسی طرح ہونا چاہیئے جس طرح نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کا تھا۔

امام شاطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''اور اس معنی میں آثار بہت ہیں، سب کے سب اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ہمیں صحابہ کرام کے نقش قدم پر چلنا چاہیے اور ہر حال میں انہیں کے طریقے کو اپنانا چاہیے، وہی نجات کا طریقہ ہے، جس طرح کہ افتراق والی حدیث میں وارد ہوا ہے کہ وہ نجات پانے والا گروہ اسی منہج اور طریقے پر چلے گا جس پر میں اور میرے صحابہ قائم ہیں''۔ [الاعتصام:۲/۳۴۷]

۴- رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے اصحاب بچاؤ ہیں میری امت کے اصحاب جب چلے جائیں گے تو میری امت پر وہ وقت آجائے گا جس کا وعدہ ہے۔ جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي بُرْدَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، قَالَ: " صَلَّيْنَا الْمَغْرِبَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، ثُمَّ قُلْنَا: لَوْ جَلَسْنَا حَتَّى نُصَلِّيَ مَعَهُ الْعِشَاءَ، قَالَ: فَجَلَسْنَا فَخَرَجَ عَلَيْنَا، فَقَالَ: مَا زِلْتُمْ هَاهُنَا؟ قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، صَلَّيْنَا مَعَكَ الْمَغْرِبَ ثُمَّ قُلْنَا نَجْلِسُ حَتَّى نُصَلِّيَ مَعَكَ الْعِشَاءَ، قَالَ: أَحْسَنْتُمْ أَوْ أَصَبْتُمْ، قَالَ: فَرَفَعَ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ وَكَانَ كَثِيرًا مِمَّا يَرْفَعُ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ، فَقَالَ: النُّجُومُ أَمَنَةٌ لِلسَّمَاءِ، فَإِذَا ذَهَبَتِ النُّجُومُ أَتَى السَّمَاءَ مَا تُوعَدُ، وَأَنَا أَمَنَةٌ لِأَصْحَابِي، فَإِذَا ذَهَبْتُ أَتَى أَصْحَابِي مَا يُوعَدُونَ، وَأَصْحَابِي أَمَنَةٌ لِأُمَّتِي، فَإِذَا ذَهَبَ أَصْحَابِي أَتَى أُمَّتِي مَا يُوعَدُونَ ".

ترجمہ: سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ہم نے مغرب کی نماز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھی، پھر ہم نے کہا: اگر ہم آپ ﷺ کے ساتھ بیٹھے رہیں یہاں تک کہ عشاء آپ کے ساتھ پڑھیں تو بہتر ہو گا، پھر ہم بیٹھے رہے اور آپ ﷺ باہر تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم یہیں بیٹھے رہے۔'' ہم نے عرض کیا: جی ہاں، یارسول اللہ! ہم نے آپ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی پھر ہم نے کہا: اگر ہم بیٹھے رہیں

یہاں تک کہ عشاء کی نماز بھی آپ کے ساتھ پڑھیں تو بہتر ہو گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم نے اچھا کیا اور ٹھیک کیا۔" پھر آپ ﷺ نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور اکثر آپ ﷺ اپنا سر آسمان کی طرف اٹھاتے پھر فرمایا: "تارے بچاؤ ہیں آسمان کے، جب تارے مٹ جائیں گے تو آسمان پر بھی جس بات کا وعدہ ہے وہ آجائے گی (یعنی قیامت آجائے گی اور آسمان بھی پھٹ کر خراب ہو جائے گا) اور میں بچاؤ ہوں اپنے اصحاب کا جب میں چلا جاؤں گا تو میرے اصحاب پر بھی وہ وقت آجائے گا جس کا وعدہ ہے (یعنی فتنہ اور فساد اور لڑائیاں) اور میرے اصحاب بچاؤ ہیں میری امت کے اصحاب جب چلے جائیں گے تو میری امت پر وہ وقت آجائے گا جس کا وعدہ ہے۔"

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے کہا:

"آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کی نسبت انکے بعد والوں سے ویسے ہی بتلائی ہے جیسی نسبت آپ ﷺ کی صحابہ سے ہے، اور جس طرح ستاروں کی نسبت آسمان سے ہے، اس تشبیہ سے واضح ہوا کہ جس طرح نبی اکرم ﷺ کی اقتداء کر کے صحابہ کرام نے رہنمائی حاصل کی ہے اور جس طرح اہل ارض آسمان کے ستاروں سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں اسی طرح صحابہ کرام کے بعد آنے والے لوگ صحابہ کے نقش قدم پر چل کر راہ ہدایت حاصل کریں، اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ نے امت کے اندر صحابہ کرام کی بقا کو امت کیلئے بچاؤ اور شر ور وفتن سے بچنے کا ذریعہ بتایا ہے۔ اگر یہ جائز ہوتا کہ صحابہ کرام امت کی بہتری میں غلطی کریں گے اور بعد میں آنے والے صحیح رہنمائی کریں گے تو پھر صحابہ کو چھوڑ کر حدیث کے اندر بعد والوں کو شر ور وفتن سے بچنے کا ذریعہ بتایا گیا ہوتا، جبکہ یہ محال ہے"۔

[اعلام الموقعین: ۴/ ۱۱۸]

اس حدیث کے اندر صحابہ کرام کو ستاروں سے تشبیہ دی گئی ہے جس کے اندر ایک بڑا ہی نفیس فائدہ ہے، وہ یہ کہ ستاروں سے تین کام لئے جاتے ہیں:

پہلا کام:

یہ آسمان کیلئے زینت ہیں، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا ہے:﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ﴾ ترجمہ: بیشک ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں (ستاروں) سے آراستہ کیا۔

دوسرا کام:

ستاروں سے سفر میں رہنمائی حاصل کی جاتی ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَعَلَامَاتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ﴾ ترجمہ: اور علامتیں (بنائیں) اور ستاروں کے ساتھ وہ راستہ معلوم کرتے ہیں۔

تیسرا کام:

یہ شیطانوں کو مارنے کا ذریعہ بھی ہیں جیسا کہ اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا:﴿وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ﴾ ترجمہ: اور انہیں شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بنا دیا۔

سو صحابہ کرام بھی ستاروں کی طرح ہیں جو نبی اکرم ﷺ کے بعد اس امت کیلئے زینت ہیں، معرفت حق میں ان کے ذریعے رہنمائی حاصل کی جاتی ہے اور ساتھ ہی اہل کفر اور اہل بدعت جیسے انسانی شیاطین کو مارنے کا یہ بہت بڑا وسیلہ ہیں؛ چنانچہ انہوں نے ساری بدعتوں اور باطل امور کو مٹایا اور ان کا خاتمہ کیا، اللہ ان سب سے راضی ہو۔

ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"علماء کی مثال اس سرزمین پر ویسے ہی ہے جیسے آسمان میں ستاروں کی، جب وہ ظاہر ہوں تو لوگوں کو راہ ملے، اور اگر چھپ جائیں تو یہ بھٹک جائیں"۔ [المدخل للبیہقی: ۴۷۲]

اور صحابہ کرام انبیاء کے بعد سادات علماء میں شمار ہوتے ہیں۔

۶- رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کے زمانے کو بہتر زمانہ بتلایا ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: " خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، فَلَا أَدْرِي فِي الثَّالِثَةِ، أَوْ فِي الرَّابِعَةِ، قَالَ: ثُمَّ يَتَخَلَّفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ أَحَدِهِمْ يَمِينَهُ، وَيَمِينُهُ شَهَادَتَهُ ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بہتر لوگ میرے قرن کے ہیں، پھر وہ جو ان سے نزدیک ہیں، پھر وہ جو ان سے نزدیک ہیں۔" میں نہیں جانتا آپ ﷺ نے تیسری بار میں فرمایا یا چوتھی بار میں۔ "پھر وہ لوگ نالائق پیدا ہوں گے جن کی گواہی قسم سے پہلے ہوگی اور قسم گواہی سے پہلے۔"

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا:

''یہ بدیہی امر ہے کہ جو بھی کتاب وسنت پر غور وفکر کرے گا اور اجماع امت کا جائزہ لے گا تو اسے یہ پتہ چل جائے گا کہ اقوال واعمال اور اعتقادات وغیرہ سارے امور میں اس امت کا سب سے بہتر زمانہ پہلی صدی ہے پھر اسکے بعد والی پھر اسکے بعد والی جیسا کہ نبی اکرم ﷺ سے کئی روایتوں میں ثابت ہے، اور یہ کہ صحابہ کرام بعد والوں کے مقابلے میں ہر اعتبار سے افضل ہیں خواہ وہ فضیلت علم وعمل میں ہو یا ایمان وعقل میں ہو یا دین وعبادت میں ہو، اس اٹل حقیقت کا انکار وہی کرسکتا ہے جو ہٹ دھرم اور گمراہ ہو''۔

[مجموع الفتاوی: ۴/ ۱۵۸]

۷- رسول اللہ ﷺ نے مزید فرمایا:

''فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ''۔

ترجمہ: تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کار کو لازم پکڑنا، تم اس سے چمٹ جانا، اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا، اور دین میں نکالی گئی نئی باتوں سے بچتے رہنا، اس لیے کہ ہر نئی بات

بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے کہا ہے:

”اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی سنت کو صحابہ کی سنت سے ملا دیا ہے اور اس کی اتباع کا حکم دیا ہے جس طرح اپنی سنت کی اتباع کا حکم دیا ہے، اور اس حکم میں مبالغہ وتاکید سے کام لیتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ اسے اپنے داڑھ کی دانتوں سے مضبوطی کے ساتھ پکڑ لینا، اس میں وہ ساری چیزیں شامل ہوں گی جن کا فتویٰ انہوں نے دیا ہے اور اس امت کیلئے سنت بنایا، اور نبی اکرم ﷺ سے اس تعلق سے کچھ نہ وارد ہو، کیونکہ اگر ہوگا تو اسی کو سنت مانا جائے گا“۔ [اعلام الموقعین: ۴/ ۱۲۱]

صحابہ کرام کی اتباع کے وجوب پر سلف کے اقوال:

اور صحابہ کرام کی اتباع کے وجوب سے متعلق جہاں تک سلف کے اقوال کا تعلق ہے تو یہ بہت ہیں، البتہ یہاں پر چند اقوال کو نقل کرنے پر اکتفا کروں گا:

۱-امام مالک رحمہ اللہ نے کہا:

"بدعات سے بچ کر رہو۔ پوچھا گیا: ابوعبداللہ! بدعات کیا ہیں؟ کہا: اہل بدعت وہ ہیں جو اللہ تعالی کے اسماء وصفات اور اسکے کلام، علم اور اس کی قدرت کے تعلق سے کلام کرتے ہیں، وہ ان امور پر خاموش نہیں رہتے جن پر صحابہ اور تابعین خاموش رہے"۔ [عقیدۃ السلف للصابونی:۲۴۴]

۲-نوح الجامع کہتے ہیں:

"میں نے ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے پوچھا: ان لوگوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو اعراض اور اجسام کے بارے میں کلام کرتے ہیں؟ تو کہا: یہ سب فلاسفہ کی موشگافیاں ہیں، تم اثر اور سلف کا طریقہ لازم پکڑو اور ہر نئی چیز سے دور رہو؛ کیونکہ وہ بدعت ہے"۔ [ذم الکلام واھلہ للھروی:۵/۲۰۶]

۳-امام شافعی رحمہ اللہ صحابہ کرام کے بارے میں کہتے ہیں:

"وہ ہم سے ہر اعتبار سے اوپر ہیں: علم وفضل میں، عقل ودین میں نیز ہر اس سبب میں جو حصول علم کا ذریعہ ہو، یا جس کے ذریعے ہدایت حاصل ہو، اور انکی رائے ہمارے لئے خود ہماری رائے سے بہتر ہے"۔ [مجموع الفتاوی:۴/۱۵۸]

۴-امام شاطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"پہلے کے لوگوں کی یعنی سلف کی مخالفت کرنے سے بچ کر رہو، اگر اس مخالفت میں کوئی بھلائی ہوتی تو وہ خود اسکے زیادہ مستحق تھے"۔ [الموافقات:۶/۳۵۲]

۵- بقیہ بن ولید رحمہ اللہ نے کہا:

"مجھ سے امام اوزاعی نے کہا: اے بقیہ! اصحاب رسول میں سے کسی کو بھی سوائے خیر کے نہ یاد کرو۔ اے بقیہ! علم وہی ہے جو اصحاب رسول سے آیا ہے، اور جو ان کے واسطے سے نہیں آیا وہ علم ہی نہیں ہے"۔

[سیر اعلام النبلاء: ۷/ ۱۲۰]

۶- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا:

"سعادت مند وہی ہے جو سلف کا طریقہ لازم پکڑے اور خلف کے ایجاد کردہ طریقوں سے دور رہے"۔ [فتح الباری: ۱۳/ ۲۵۳]

سوال:

ہم صحابہ کرام کے مذہب کو کیسے پہچانیں گے؟

جواب:

پہلی بات: جب وہ کسی مسئلے میں متفق ہو جائیں تو جان لیں کہ وہی انکا مذہب ہے، ایسی صورت میں انکی مخالفت کرنا حرام ہوگا۔

دوسری بات: جب کوئی صحابی کوئی قول کہے یا کسی مسئلے میں اپنی رائے دے اور اس پر دیگر صحابہ خاموش رہیں کوئی نکیر نہ کرے تو اسے بھی تمام صحابہ کا مذہب مانا جائے گا۔

تیسری بات: جب کسی مسئلے میں ان کا اختلاف ہو جائے اور اس بارے میں دو فریق ہو جائیں تو ایسی صورت میں ہمارے متعدد مواقف ہو سکتے ہیں:

۱- ہمارے لئے جائز نہیں ہوگا کہ ہم کوئی تیسرا قول ایجاد کریں، چنانچہ اگر ان میں سے کوئی کہے کہ یہ فعل حرام ہے اور کوئی کہے کہ یہ واجب ہے، ایسی صورت میں ہمارے لئے جائز نہیں ہوگا کہ ہم اسے مکروہ، یا مباح یا مستحب اور جائز کہیں۔

۲- یہ کہ ہم ان کے اقوال میں ترجیح کی صورت اپنائیں، چنانچہ دونوں میں سے اس قول کو اختیار کرلیں جس قول سے دلیل زیادہ قریب ہو۔

۳- اور اگر دلیلوں کی روشنی میں کوئی قول راجح نہ لگے تو ایسی صورت میں اس قول کو مقدم کریں گے جس پر خلفائے راشدین کا اتفاق ہو، اور اسی طرح اس قول کو بھی جسے بعض خلفائے راشدین نے کہی ہو اور دیگر خلفائے راشدین نے مخالفت نہ کی ہو۔

چوتھا مقدمہ

عقیدے کے باب میں اہل سنت والجماعہ کی تصنیفات

عقیدے کے باب میں اہل سنت والجماعہ کی تصنیفات کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: عقیدے کے باب میں مستقل تصنیفات، جیسے:

۱-اصول السنہ، از امام احمد۔

۲-خلق افعال العباد، از امام بخاری۔

۳-التبصیر فی معالم الدین، از امام طبری۔

۴-صریح السنہ، از امام طبری۔

دوسری قسم: ایسی تصنیفات جو کسی جامع کتاب کے ضمن میں ہوں، جیسے:

۱-صحیح بخاری کے اندر کتاب التوحید۔

۲-صحیح مسلم کے ضمن میں کتاب القدر۔

۳-ابو داود، ترمذی، ابن ماجہ اور دارمی کی سنن کے اندر کتاب السنہ۔

مسائل اعتقاد کے اعتبار سے اہل سنت والجماعہ کی تصنیفات کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: ایسی کتابیں جو توحید عبادت کے بیان میں کافی ہوں، اور یہ کتابیں موحدین اور مشرکین کے درمیان تفریق کرنے میں فیصل کا درجہ رکھتی ہیں، ان میں کچھ کتابیں یہ ہیں:

۱-تطہیر الاعتقاد، از امام صنعانی۔

۲-تجرید التوحید، از مقریزی۔

۳- الاصول الثلاثۃ۔

۴-القواعد الأربع۔

۵-کتاب التوحید۔

۶-مسائل الجاهلیه۔

۷-کشف الشبهات۔

یہ پانچوں کتابیں امام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کی ہیں۔

انکے علاوہ بھی بہت ساری تصنیفات ہیں، مگر یہ مشہور کتابیں ہیں۔

دوسری قسم: وہ کتابیں جو اجمالی طور پر مسائل عقیدہ پر مشتمل ہیں، اور یہ اہل سنت اور اہل بدعت ونفس پرستوں کے درمیان تفریق کرنے میں فیصل کا درجہ رکھتی ہیں، ان میں سے چند کا ذکر درج ذیل ہے:

۱-العقیدہ الطحاویہ۔

۲-اعتقاد ائمة الحدیث، از اسماعیلی۔

۳-عقیدة السلف، از صابونی۔

اس قسم سے متعلق چند اہم کتابیں:

۱-العقیدہ الواسطیہ۔

۲-الفتاوی الحمویہ۔

۳-الرسالة التدمریہ۔

یہ تینوں کتابیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی ہیں۔

اس قسم سے متعلق چند اہم معاصر کتابیں:

۳-عقیدة أھل السنہ والجماعہ، از ابن عثیمین۔

۴-المعتقد الصحیح، از شیخ عبد السلام برجس۔

تفصیل واختصار کے اعتبار سے اہل سنت والجماعہ کے نزدیک کتب عقیدہ کی دو قسمیں ہیں:

۱-مطولات، جیسے:

-التوحید، ابن مندہ۔

-شرح اصول اعتقاد اھل السنہ، از علامہ لالکائی۔

-شرح العقیدہ الطحاویہ، از ابن ابی العز۔

۲-مختصرات، جیسے:

-اصول السنہ، از امام احمد۔

-العقیدہ الطحاویہ۔

-العقیدہ الواسطیہ۔

-عقیدۃ أھل السنہ، از شیخ ابن عثیمین۔

عقیدے کے باب میں کچھ کتابیں ایسی ہیں جو احادیث وآثار کی سندیں نقل کرتی ہیں، جیسے:

۱-خلق افعال العباد، امام بخاری۔

۲-کتاب السنہ، ابن ابی عاصم۔

۳-التوحید والایمان، ابن مندہ۔

کچھ کتابیں ایسی ہیں جو احادیث وآثار کی سندوں پر مشتمل نہیں ہیں، بلکہ مسائل عقیدہ پر مشتمل ہیں بغیر سند کے، جیسے:

۱-منہاج السنہ، از شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ۔

۲-شرح العقیدہ الطحاویہ، از ابن ابی العز۔

عقیدے کے باب میں اہل سنت والجماعہ کی کتابیں دو منہج اور طریقے پر قائم ہیں:

پہلا طریقہ: عرض کا طریقہ یعنی عقیدہ کو مجرد نقل کرنا، جیسے:

۱-اصول السنہ، از امام احمد۔

۲-العقیدہ الطحاویہ۔

ان کے علاوہ بھی دیگر وہ کتابیں جو عقیدہ اہل سنت کو پیش کرتی ہیں۔

دوسرا طریقہ: ردونقد اور دفاع کا طریقہ۔

عقیدے کا دفاع دو امور میں سے کسی ایک کے ذریعے ہوگا:

پہلا امر: اس عقیدہ کی صحت اور اس پر لگے شبہات و اعتراضات کو دفع کرنے پر دلیل پیش کر کے حق کو ثابت کرنا۔

دوسرا امر: دوسرے عقائد کے فساد کو بیان کر کے باطل مذہب کو باطل کرنا، خواہ انکی نسبت اسلام کی طرف ہو یا نہ ہو۔

کتب ردود کی چند مثالیں:

۱-امام احمد اور امام دارمی رحمہما اللہ نے جہمیہ پر رد کیا ہے۔

۲-خلق افعال العباد، امام بخاری۔

اسی طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور آپ کے شاگردوں کی کتابیں، پھر شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کی کتابیں۔

البتہ یہ معلوم رہے کہ ردود اور مناظروں کی کتابوں سے بنیادی طور پر مسائل عقیدہ نہیں لیا جائے گا، بلکہ بنیادی طور پر عقیدہ انہیں کتابوں سے لیا جائے گا جو عقیدہ صحیحہ پیش کرتی ہیں۔

جیسا کہ یہ بھی بتادوں کہ مبتدی طالب علم ردود کی کتابوں سے دور رہے، اسلئے کہ مناظرات اور ردود کی

کتابیں اہل باطل کے ان شبہات پر مشتمل ہوتی ہیں کہ مبتدی طلبہ کے دلوں میں جنکے بیٹھ جانے کا خطرہ ہوتا ہے، اور چونکہ مناظروں میں ایک عالم اپنے قول سے پیچھے ہٹ جاتا ہے مخالف کے ساتھ تنزلی اختیار کرتے ہوئے، جسے مبتدی طلبہ اہل سنت والجماعہ کا قول سمجھ بیٹھتے ہیں جبکہ ایسا نہیں ہوتا۔

واللہ تعالی أعلم۔

وصَلّی اللَّهُ وسَلَّمَ وبارَكَ عَلی نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وعَلی آلِهِ وأَصْحَابِهِ أَجْمعین۔

فہرست موضوعات